ماہنامہ نکتہ

آن لائن ایڈیشن

جلد نمبر 1، شمارہ نمبر 1، دسمبر 2015

اساتذہ کا روپے پیسے کی دوڑ میں شامل ہو جانا ایسے ہی ہے کہ سانپوں کی طرح معاشرہ اپنے ہی انسانوں کو نگل رہا ہے۔ اشرافیہ نے اپنی رہائش کے لیے علیحدہ اُونچی اور خاردار تاروں کی فصیلوں میں اعلیٰ درجے کی رہائش گاہیں بنا رکھی ہیں اسی طرح اُنھوں نے اپنے لیے علیحدہ تعلیمی نظام اور علیحدہ تعلیمی ادارے قائم کر لیے ہیں۔ یہ تو انصاف اور مساوات پر مبنی معاشرے کی حالت نہیں لگتی البتہ یہ تو چھوت چھات کے قائل اُس معاشرے کی کہانی لگتی ہے جس سے ہم نے آزادی ہی اس مقصد کے لیے حاصل کی تھی ہم مساوات، رواداری اور اپنے رب پاک کے احکامات کے مطابق معاشرہ تشکیل دیں گے جو کہ اطیعواللہ واطیعوالرسول کے عظیم نصب العین پر قائم ہو گا۔ جہاں لارڈ میکالے کی سوچ سرایت نہ کر سکے گی جہاں مادہ پرستی کی بجائے اُس نظام کا بول بالا ہو گا جو کہ ہمارے نبی پاک ﷺ نے ہمیں دیا۔

ماہنامہ

نکتہ

آن لائن ایڈیشن

جلد نمبر 1، شمارہ نمبر 1، دسمبر 2015

سید عبدالوہاب (مدیر اعلیٰ)

جاوید اقبال (مدیر)

احسان رانا (مدیر)

مجلس مشاورت

(حافظ انیس الرحمٰن، عبیداللہ شاہ، عارف شیرازی)

فہرست

اداریہ

بچوں کی تربیت کے لئے قرآنی ہدایات	محمد نعیم تبسم	3
عمدہ مضمون نگاری، مگر کیسے؟	ذوالفقار علی بخاری	6
والدین توجہ کریں (چودہ نکات)	شاہد رضا	7
تعلیم کا معیار کیوں نہیں رہا؟	میاں محمد اشرف میاں	9
شوگر اور احتیاطی تدابیر	ڈاکٹر تنویر سرور	14
انسانیت یاد آ گئی	پروفیسر لیاقت علی	16
انسانی علم کی بے بسی	غلام شبیر	18
اُف یہ چلاس	عامر جان حقانی	19
میتھی اور اس کے فوائد	حکیم شاہد محمود	23
مخلوط تعلیمی نظام اور اسلامی نظریہ	اسامہ شعیب (دہلی)	24
سود کے بعد موبائل کمپنیوں کی جو اسکیمیں	سید عبدالوہاب شیرازی	29

اداریہ

پیرس حملے

گذشتہ ماہ فرانس کے شہر پیرس میں قاتلانہ حملوں کے نتیجے میں 130 لوگ ہلاک ہوگئے، بلاشبہ بے گناہ لوگوں کو قتل کرنا کسی طور پر درست عمل نہیں ہوسکتا چنانچہ امریکی صدر نے کہا: یہ پوری انسانیت اور آفاقی اقدار پر حملہ ہے" برطانوی وزیراعظم فرانسیسی صدر و دیگر نے اسے انسانیت پر حملہ سے منسوب کیا۔ یہی بات بلکہ اسی طرح کے الفاظ اسلامی تعلیمات میں بھی موجود ہیں کہ ایک بے گناہ کا قتل پوری انسانیت کا قتل اور ایک انسان کو زندگی دینا پوری انسانیت کو زندگی دینے کے مترادف ہے۔ لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ مغربی دنیا مسلمانوں کو انسان تسلیم کرنے کے لئے بھی تیار نہیں۔ جب تک اس طرح کا دہرا معیار جاری رہے گا، مغربی دنیا سے مسلمانوں کی نفرت اسی طرح بڑھتی رہے گی جیسے حالیہ واقعے کے بعد سوشل میڈیا پر فرانس میں ہونے والے حملوں کے بعد فرانس ہی کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔

داعش کون

ہم جس دور سے گزر رہے ہیں دجالیت کا دور ہے، دجالیت کا مطلب ہی مکر وفریب اور کسی چیز کا دوسرا رخ دکھانا ہے۔ اس وقت داعش کے حوالے سے میڈیا پر جو کچھ بتایا یا دکھایا جاتا ہے بلاشبہ یہ سب کچھ قابل نفرت اور درندگی ہے۔ لیکن دوسری طرف بی بی سی کی ایک حالیہ رپورٹ کے مطابق دنیا کے 67 مغربی ممالک پچھلے دو تین سالوں سے داعش کے خلاف برسرپیکار ہیں۔ مغربی دنیا کا مسلمانوں سے جس طرح کا دہرا معیار ہے اس سے تو یہی سمجھا جاسکتا ہے کہ داعش مغربی دنیا کے لئے خطرے کی گھنٹی ہے۔ اگر بات ایسی ہی ہے تو پھر داعش کو مظلوم مسلمانوں کی حمایت حاصل ہونا یقینی ہوجاتا ہے۔

(محمد نعیم تبسم، کراچی)

بچوں کی تربیت کے لئے قرآنی ہدایات

حضرت لقمان کی وہ نصیحتیں جن کا والدین کو علم ہونا ضروری ہے

گلی کے کنارے، کھیل کے میدان، اسکول کی کینٹین، ہوٹل، کمرہ جماعت، بس یا وین۔ ہماری وہ نسل جو علم سیکھنے، پڑھنے لکھنے جارہی ہوتی ہے۔کبھی ان کی گفتگو تو سنیں۔ ہر ایک دوسرے کو مخاطب کرنے سے پہلے گالی دے گا۔ دوسرا جواب بعد میں دے گا، پہلے موٹی سے گالی سے سامنے والے کو نوازے گا۔گالی بھی ایسی کہ ذرا سا اس کے مفہوم پر غور کرلیا جائے تو کہنے والا اور جس کو ان القابات سے نوازا جارہا ہوتا ہے وہ دونوں مارے شرم کے زمین میں گڑھ جائیں۔ یہ لچے لفنگے، بازاری لوگ جو اَن پڑھ، جاہل، تہذیب و اخلاقیات سے عاری، تھڑے والے ہوتے ہیں۔ان کی بات نہیں ہورہی بلکہ معززین شہر اور شرفا کے گھرانوں کے پڑھے لکھے مہذب کہلانے والے سپوت اس حالت میں ہیں۔

ایسا کیوں ہورہا ہے؟ معاشرے میں اپنے اہل خانہ کی کفالت اور ان کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ہر فرد اتنا مصروف ہوگیا ہے کہ اس کے لیے ممکن ہی نہیں رہا کہ وہ بچوں کی تربیت، ان کی زبان، لب ولہجہ، چال چلن، درست کرنے کے لیے وقت نکال سکے۔ایسے میں اگر والدین کے پاس فرصت کے لمحات ہیں تو وہ یہ چند نصیحتیں ضرور پڑھ لیں جو ایک عظیم ہستی اپنے بیٹے کو کررہی ہے۔ یہ اتنے خوبصورت جملے اور باتیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو قرآن مجید کا حصہ بنا کر رہتی دنیا تک ایک نمونہ بنادیئے ہیں کہ والدین اگر اپنے بچوں کی اچھی تربیت چاہتے ہیں تو وہ انہیں ان باتوں سے ضرور آگاہ کریں۔ یہ وہ معاملات ہیں جن میں اچھے برے کی تمیز والدین بچوں کو ضرور کروائیں۔ دیکھیں لقمان علیہ السلام جیسی عظیم ہستی اپنے بیٹے کو کن باتوں کی تعلیم دے رہے ہیں۔قرآن مجید کی 31 ویں سورہ کا نام ہی سورہ لقمان ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سورہ کے دوسرے رکوع میں وہ نصیحتیں درج ہیں جو حکیم لقمان نے اپنے بیٹے کو کیں۔

1......☆ پہلی نصیحت کیا ہے۔ بیٹے کو رب کا تعارف کروایا۔کہا بیٹا عبادت کے لائق اللہ تعالیٰ کی ہی ذات ہے۔دنیا میں ان کے علاوہ جس کی عبادت کی جاتی ہے۔اس عمل کو شرک کہا جاتا ہے۔عبادت سے مراد کیا ہے۔اللہ

کے علاوہ کسی سے دعا کرنا، مانگنا، اس کی تعظیم کرتے ہوئے اس کے آگے سجدہ کرنا یا جھکنا، کسی اور کے نام پر صدقہ، خیرات کا قربانی کرنا، یہ تمام عمل عبادت کے زمرے میں آتے ہیں۔ کہا بیٹا اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا، یہ بہت بڑا ظلم ہے۔ آج مسلمانوں کے بچوں کو عبادت کے مفہوم ہی کا علم نہیں۔ نہ انہیں توحید و شرکت میں تمیز ہے۔

2......☆ دوسری نصیحت یہ کی کہ بیٹا! کوئی بھی چھوٹا سے چھوٹا اچھا یا برا کام چاہے وہ کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو۔ تم زمین کی گہرائیوں، کسی چٹان کے اندر یا آسمان کی وسعتوں میں کرو۔ وہ اللہ تعالیٰ سے تم نہیں چھپا سکتے۔ کل روز قیامت وہ عمل اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے پیش کر دے گا۔ سبحان ا؟ کتنی ہی اچھی بات ہے۔ اگر ہر کوئی یہی سوچ لے کہ یہ جرم یا گناہ کرتے وقت اس کا خالق و مالک دیکھ رہا ہے۔ تو یہی سوچ اسے بہت سی برائیوں سے روک لے گی۔

3......☆ تیسری نصیحت یہ کی کہ بیٹا نماز کو ادا کرنے کی پابندی کو اپنے لیے لازم رکھنا۔ لوگوں کو اچھی باتوں کی ترغیب بھی دینا اور اگر کسی کو برائی کرتے دیکھو تو اسے منع بھی کرتے رہنا اور مشکلات پر صبر کرنا، کیوں کہ مشکل میں صبر کرنا بڑی ہمت والا کام ہے۔ اگر اس نصیحت کی روشنی میں ہر کوئی رب کی بندگی اور عبادت میں لگ جائے۔ جو غلط کام ہوتا دیکھے ان کو سمجھانے کی کوشش کرے اور جو اچھا کام کرنے جا رہا ہو۔ ساتھ دوسرے دوستوں اور باقی لوگوں کو بھی ملا لے کہ آجاو بھائی یہ ایک اچھا کام ہے تم بھی ساتھ دو۔ تو کیا خیال ہے کیا اس سے معاشرے میں مثبت نتائج پیدا نہیں ہوں گے۔ لوگ پریشانیوں میں پھنس جانے کے بعد نہ جانے کیا کیا قدم اٹھا لیتے ہیں۔ لیکن اگر ان پر وہ صبر کریں تو بھی بہت سے معاملات بگڑنے کے بجائے سنور جائیں۔

4......☆ اگلی نصیحت میں حکیم لقمان اپنے بیٹے کو انسان کی اصلیت بتاتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ تو مٹی کا بنا ہوا ہے۔ رب کی مخلوق ہے جسے عاجزی پسند ہے۔ لہٰذا تو نے لوگوں کے درمیان اپنے آپ کو ممتاز بنانے کے لیے غرور و تکبر کو اختیار نہیں کرنا۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کسی خودسر اور مغرور کو پسند نہیں کرتا۔ انسان بس اتنا سوچ لے کہ اگر اس کی جسم میں جو جان ہے وہ نکل جانے کے بعد وہ کیا رہ جائے گا۔ اور جان بھی ایسی کہ اس پر اپنا اختیار کچھ بھی نہیں۔

5......☆ پھر حکیم لقمان اپنے بیٹے کو آداب محفل اور تہذیب کی بات بتاتے ہیں کہ دیکھو! دوسروں سے بات کرنے اور لوگوں کے درمیان چلنے میں میں اعتدال اور دھیمے انداز کو اختیار کرنا۔ آہستہ چلنا اور اپنی آواز کو بھی پست اور آہستہ رکھنا۔ زیادہ اونچی آواز میں ہانکنا انسانوں کا نہیں گدھوں کا کام ہے۔ اپنی آواز کو اتنا بلند نہ کرے کہ وہ گدھے کی آواز سے مشابہت اختیار کر لے کیوں کہ گدھے کی آواز سب آوازوں میں سب سے زیادہ بری آواز ہے۔ ایک منٹ

کے لیے سوچیں۔ جب ہم دوستوں کے درمیان بیٹھے ہوتے ہیں یا کسی محفل میں ہوتے ہیں تو ہمارے بولنے کا انداز کیسا ہوتا ہے۔ اس بات کا فیصلہ آپ خود کریں!

اب نوجوان خود بھی ان نصیحتوں پر عمل کریں اور والدین کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کو تک یہ نصیحتیں ضرور پہنچائیں جو حضرت لقمان کے بیٹے کی صورت میں تمام نوجوانوں کے لیے ہیں۔ یقیناً ان پر عمل کر کے نوجوانوں کی بڑی اچھی تربیت ہو جائے گی اور ہماری نسلیں اور معاشرہ گمراہی اور بے راہ روی کے بجائے مثبت انداز میں پروان چڑھے گا۔ اللہ مجھ سمیت تمام مسلمانوں کی اولادوں کو نیک و صالح اور والدین کا فرمانبردار بنائے اور دنیا و آخرت میں انہیں والدین کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ

اس آیت میں علماء سے مراد صرف دین و شریعت کے علماء نہیں بلکہ کائناتی علم رکھنے والے علماء بھی شامل ہیں، یعنی طب، فلکیات، نباتات، فضاء اور ارضیات کا علم رکھنے والے بھی اس میں آ جاتے ہیں۔

کیونکہ وہ بھی جب صحیح نہج پر کائنات کے اسرار پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ نظر انہیں اللہ کی وحدانیت، قدرت، طاقت کے اعتراف پر مجبور کر دیتی ہے اور یہی اعتراف خشیت الٰہی پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے۔

(خلاصۃ القرآن، مولانا اسلم شیخوپوری شہید)

عمدہ مضمون نگاری۔ مگر کیسے؟

(ذوالفقار علی بخاری، اسلام آباد)

اپنے خیالات اور تجربات کو تحریری شکل میں لوگوں کے سامنے دو اقسام میں پیش کیا جاتا ہے ایک کو کالم اور دوسرے کو آرٹیکل کہا جاتا ہے۔دونوں بنیادی طور پر کسی ایک یا بہت سے مسائل کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے لئے لکھے جاتے ہیں لیکن کالم میں لکھنے والا ایک خاص عنوان کے تحت مختلف مسائل پر لکھتا ہے جبکہ آرٹیکل میں اس کو یہ رعایت حاصل نہیں ہوتی ہے۔گزشتہ چند سالوں سے آرٹیکل نویسی (مضمون نویسی) کا فن تیزی رفتاری سے مقبولیت حاصل کررہاہے جس کے ذریعے کسی بھی عنوان کے تحت لوگ اپنی رائے اور حقائق عوام کے سامنے پیش کررہے ہیں۔

جب بھی قلم اٹھانے لگیں تو یہ ضروری سوچ لیں کہ آپ کی لکھی گئی تحریر دوسروں پر بہت گہرا اثر ڈالے گی لہٰذا تحریر میں کوئی ایسی بات مت لکھیں جس پر بعد میں آپ کو ندامت ہو۔جس موضوع پر لکھنے کا ارادہ بنائیں اس سے متعلقہ مواد کا ضرور ایک بار مطالعہ کریں تاکہ تحریر کو چار چاند لگ جائیں اور ہمیشہ تصویر کے دونوں رخ دیکھتے ہوئے آرٹیکل لکھیں تاکہ غیر جانب داری کا الزام عائد نہ کیا جاسکے۔اگر آپ نئے نئے لکھنے والے ہیں تو ابتدا میں مختصر اور جامع لکھنے کی کوشش کریں تاکہ لوگ اپ کے عمدہ لکھے گئے مضمون کو طوالت کی وجہ سے نظرانداز نہ کردیں۔

کوشش کریں کہ آپ کی لکھی گئی تحریر پیراگراف پر مبنی ہو اور ہر پیرا میں الگ الگ نکات پر بحث کی جائے۔الفاظ کی بجائے خیالات کو ترجیح دیں بعض اوقات غیر ضروری الفاظ یا بلاوجہ انگریزی زبان کا اردو میں مضمون لکھتے وقت استعمال مناسب نہیں لگتا ہے۔تحریر اس قدر بھی مختصر نہ ہو کہ مطلب واضح نہ ہوسکے اور نہ ہی اس قدر طویل ہو کہ پڑھنے والا قاری بوریت کا شکار ہوجائے۔

عمدہ اور اچھا لکھنے کے لئے بہترین اور جاندار لکھنے والوں کو پڑھنا بھی ضروری ہے۔جو بات دل میں ہو وہ ضرور دوسروں تک پہنچائیں مگر یہ نہ ہو کہ کسی کی دل آزاری کا سبب بن جائے۔مثبت اور حقائق پر مبنی تحریریں سب ہی پسند کرتے ہیں۔اس بات کا ضرور خیال رکھیے گا۔

(شاہد رضا، لاہور)

والدین توجہ کریں(14 نکات)

یہ ہماری اور ہمارے بچوں کی قسمت ہے کہ اس دور میں آنکھ کھولی کہ جب باپ سے بیٹی کی عزت کو خطرہ ہے، بہن بھائی کے رشتے پامال ہو رہے ہیں، قصور کا واقعہ بھی آپ کو یاد ہوگا اور یہ صرف قصور کا قصور نہیں ہے بلکہ پورے پاکستان میں بچوں کے ساتھ بدفعلی کا کام جاری ہے وراس کام میں کچھ ہمارا اور کچھ بچوں کی بھی غلطیاں ہیں ہم لوگ ایک دوسرے پر اعتماد بہت کرتے ہیں اس دور میں جب خون سفید ہو چکے ہیں خدارا احتیاط کریں آج کی احتیاط کل بہت بڑے مسائل سے آپ کو بچا سکتی ہے اب کریں کیا کیا احتیاط کریں اور کیسے کریں۔

۱) بچوں کو فضول گھر سے باہر نہ جانے دیں۔

۲) کوئی بھی چیز منگوانی ہو قریب سے قریب دوکان سے منگوائیں اور اگر وہ چیز دور سے ملتی ہو تو خود زحمت کر لیں لیکن بچے کو گھر سے زیادہ دور نہ بھیجیں۔

۳) بچوں کو کسی بھی آشنا یا غیر آشنا کے ساتھ جانے سے منع کریں یہ کہہ کر کہ بیٹا کسی کے ساتھ بھی جاؤ بتا کر جاؤ تا کہ ہم پریشان نہ ہوں۔

۴) اکثر بچے اپنے دوستوں کے گھر جاتے ہیں کھیلنے منع کر دیں یہ کہہ کر کے بیٹا اگر کھیلنا ہے تو باہر کھیلو کسی کے گھر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

۵) آج کا دور کمپیوٹر کا دور ہے بچوں کو کہیں گھر میں رہو گیم کھیلو، کارٹون دیکھو، پڑھو لیکن گھر میں۔

۶) کسی بھی محلے دار کے ساتھ بچے کو کہیں نہ بھیجیں چاہے وہ آپ کا پڑوسی کیوں نہ ہو، کیونکہ یہ دور کسی پر بھی اعتماد کا نہیں ہے۔

۷) بچوں کو اگر اسکول یا مدرسے میں کوئی سب کو جانے کا کہے اور آپ کے بچے کو اکیلے رکنے کا کہے تو بچے کو سمجھا دیں کہ سب کے ساتھ جاؤ سب کے ساتھ آؤ چاہے اُستاد ناراض ہو چاہے راضی۔

۸) بچہ اگر کھیل کود کی وجہ سے لیٹ ہو جائے تو سختی کریں تا کہ آئندہ بتا کر بھی جائے اور جلدی گھر آئے۔

۹) بچے کو ایسی جگہ بھیجیں جہاں Gathering ہو ایسی سنسان جگہ جہاں لوگوں کی آمد و رفت کم ہو قطعاً نہ بھیجیں۔

۱۰) بچے کو سمجھا دیں کوئی اپنا ہو یا پرایا کسی سے بھی کوئی چیز لے کر نہ کھاؤ، اگر وہ کہیں جانے کے لئے کہے تو قطعاً منع کر دے کہہ دے امی ابو نے منع کیا ہے۔

۱۱) یاد رکھئے گا آپ کا بچہ اغوا ہو یا کوئی بھی اُس کے ساتھ ناخوشگوار واقعہ ہو تو زیادہ تر کوئی نہ کوئی محلے دار یا قریبی ہی ہوتا ہے اس لئے اپنے بچوں کو ان کے ساتھ بھی اکیلے نہ بھیجیں شاید یہ ایک کڑوا گھونٹ ہو لیکن پی لیں کیونکہ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو زندگی بھی کڑوے گھونٹ پینے پڑیں گے۔

۱۲) کچھ والدین بچوں کو بہت ڈھیل دیتے ہیں بچہ جو کہتا ہے فوراً مان لیتے ہیں ہم نے بچپن سے ایک کہاوت سنی ہے نوالہ سونے کا نظر قھر کی بچے کو ان کاموں سے روکنا ہی محبت اور نہ روکنا دشمنی کے ذمرے میں آتی ہے۔

۱۳) بچوں کو دنیا کے ساتھ ساتھ دین کی باتیں بھی بتائیں کیونکہ ایک مسلمان بچے کو اپنے دین کے حلال اور حرام کا علم ضرور ہونا چاہئے۔

۱۴) بچے یا بڑے جب بھی گھر سے باہر جائیں تو حفاظتی دعاؤں میں بھیجیں تا کہ ہر حال میں ا? کی مدد شاملِ حال رہے۔

(میاں محمد اشرف عاصمی، لاہور)

تعلیم کا معیار کیوں نہیں رہا؟

پاکستان میں تعلیم کا جو حشر ہو رہا ہے وہ ایک ایسی گھناونی سازش ہے کہ جس کی مثال شاید انگریز دور کے متحدہ ہندوستان مین بھی نہ ملتی ہو۔جس قوم کے راہبر حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے لیے سب سے زیادہ خوبصورت لفظ معلم انسانیت پسند فرمایا ہو اور آج مملکت خداداد پاکستان میں تعلیم کو جس طرح امتیازی گروہوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے یہ آئین پاکستان کے بنیادی حقوق کے آرٹیکل کی خلاف ورزی ہے۔گلی محلے میں وہ لوگ جو جو سبزی بیچتے تھے انہوں نے 3,4 مرلے کے گھر میں ڈربہ نما سکول بنا رکھے ہیں جہاں اساتذہ کی ذمہ داری آٹھویں پاس اور میٹرک فیل وہ لڑکیاں انجام دے رہی ہیں جن کا اپنا مستقبل تاریک ہے۔اور یہ سکول محکمہ تعلیم کی ناک تلے خوب ترقی تر رہے ہیں۔چند سو روپے فیس، کتابوں کی من مانی قیمتیں کاپیوں کی مد میں بچوں کے والدین کی جیب پر ڈاکہ،اور بچوں کی تربیت کا یہ عالم کے بچے گھر آ کر اپنی ٹیچر اور سکول مالک کے معاشقوں کے قصے سناتے ہیں۔اگر اعداد و شمار اکٹھے کیے جائیں تو پتہ چلے گا کہ اِس طرح کے سکول جو گلی محلے میں کھلے ہوئے ہیں ان کے مالک جو ہیں وہ ایک سے زائد شادیاں رچائے بیٹھے ہیں۔تعلیم و تربیت اور مشنری جذبے سے عاری یہ سکول نسل کو تباہ و برباد کر رہے ہیں۔اِس سے ذرا اوپر جائیں تو دیکھتے ہیں نسبتاً گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ خواتین و حضرات نے سکول کھول رکھے ہیں۔ان کی فیس ایک ہزار روپے کے لگ بھگ ہیں۔ایسے سکول چند مرلے یا کسی مارکیٹ کے اوپر چند دکانوں میں کھلے ہوتے ہیں۔یہ سکول زبردستی کتابیں اور کاپیاں خود دیتے ہیں اور منافع کی شرح 100% سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔اِن سکولوں میں سٹاف میٹرک، ایف اے، بی اے وغیرہ ہوتا ہے اور تعلیمی میعار یہاں بھی نا قابل بیان ہے۔انتہائی قلیل تنخواہ مثلاً؟ بی اے 1200 روپے ماہانہ اور آٹھ آٹھ پریڈ پڑھوائے جاتے ہیں اِن حالات میں کوالٹی کا تو جنازہ ہی نکالے گا۔اکثر میٹرک کے بچے خواتین اساتذہ کے قابو نہیں آتے اور وہ لڑائی مار کٹائی میں مصروف عمل رہتے ہیں اوپر سے موبائل نے ہر طرف تباہی مچا رکھی ہیا ور جلتی پر تیل کا کام کیا ہے۔خصوصاً خواتین کو دو یا ڈھائی ہزار روپے کی خاطر سخت مشقت کرنا پڑتی ہے۔۔وہ مشقت صرف نشستن اور برخاستن تک محدود ہوتی ہے۔تعلیم و تربیت نام کی چیز کہیں نظر نہیں آتی۔آئے دن فنکشن کر کے سکول کے طلبہ و طالبات کا دل بہلایا جاتا ہے اور بچوں سے فنکشن کے نام پر پیسے بٹورے جاتے ہیں۔

اِن فنکشنوں میں انگریزی اور ہندوستانی ثقافت کی پرموشن کا فریضہ انجام دیا جاتا ہے۔لڑکے لڑکیوں کو ہندوستانی اور انگریزی گانوں پر ڈانس کروایا جاتا ہے۔ان سکولوں کی آوٹ پٹ گھر بیٹھی رشتوں کے انتظار میں بے چاری غریب خاندان کی لڑکیوں کی صبح کے وقت کی مصروفیت اور پھران سکولوں کے بچوں میں سے ٹیوشن کے لیے بچوں کو متوجہ کر کے گھر بلوا کر ٹیوشن پڑھانا ہے۔

اب اگر ہم بیکن ہاؤس،ٹرسٹ سکول،سٹی سکول،شویفات،ایل جی ایس،سلامت سکول سسٹم،کی طرف آئیں تو یہاں پر ایک بچے کے ماہانہ تعلیمی اخراجات وآمدورفت کے اخراجات وغیرہ۔کتابیں کاپیوں کی مد میں کل ملاکر تقریبا 25000\= روپے سے بھی زائد تک بنتے ہیں۔اِس میں ایچی سن شامل نہیں ہے۔مذکورہ بالا سکولوں میں امیر افراد کے بچے یا سرکاری ملازم جن کی زندگی کا اوڑھنا بچھونا حرام کی کمائی ہے ان کے بچے پڑھتے ہیں۔یہ ہی بچے ہوم ٹیوشن کے لیے 15 سے 20 ہزار روپے بھی خرچ کرتے ہیں۔اب ذرا سرکاری سکولوں کی حالت زار پر غور کیجئے۔سرکاری سکولوں کے اساتذہ اپنے صدر مدرس کو باقائدہ طور پر ماہانہ بنیادوں پر بھتہ دیتے ہیں تاکہ وہ ان کے ٹیوشن پڑھانے کے کام میں رکاوٹ نہ ڈالے۔ہر کلاس انچارج صدر مدرس کی آنکھ کا تارا ہوتا ہے اور وہ بچوں کو مار پیٹ کر یا کسی طرح بھی ترغیب دے کر ٹیوشن پڑھنے پر مجبور کرتا ہے۔اور یوں یہ کاروبار صدر مدرس کی حصہ داری سے زور شور سے جاری ہے اِس لیے صدر مدرس کو قطاپرواہ نہیں ہوتی کہ کلاس میں سکول ٹائم میں پڑھائی کا میعار کیسا ہے۔سرکاری سکولوں میں ہیڈ ماسٹر تمام کلاسوں میں مختلف من پسند پبلشرز کی امدادی کتب لگواتے ہیں اور اِس میں بھاری کمیشن وصول کرتے ہیں۔یہ بات بھی مشاہدے میں آئی ہے کہ سرکاری سکولوں میں اساتذہ سکول ٹائم میں بھی ٹیوشن کے حساب سے کام کرواتے ہیں۔اور ٹیوشن کے وقت کی پڑھائی کو compensate کر رہے ہوتے ہیں۔

سرکاری سکولوں میں انتہائی تعلیم یافتہ ایم اے،ایم ایڈ اساتذہ تعنیات ہیں اور ان تنخواہوں کا اگر جائزہ لیں تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔عام ٹیچر جس کی سروس دس سال ہے اور وہ بی اے بی ایڈ ہے وہ 50 ہزار روپیے بھی زیادہ تنخواہ لے رہا ہے۔صدر مدرس لاکھ روپے سے بھی زیادہ تنخواہ وصول کرتا ہے اسکے علاوہ اساتذہ سے ٹیوشن پڑھانے کا بھتہ علیحدہ اور امدادی کتب میں کمیشن بھی لاکھوں روپے تک پہنچ جاتی ہے۔یہ بات بھی مشاہدے میں آئی ہے۔کہ سکول میں چھٹی ہوتے ہی وہی اساتذہ۔وہی بچے ان کمروں میں ٹیوشن ورک میں مشغول ہو جاتے ہیں۔گویا مادہ پرستی نے معلّمی کے پیشے کا جنازہ نکال کر رکھ دیا ہے۔جو سرکاری سکول مارکیٹوں کے پاس ہیں ان کے صدر مدرس باقائدہ

مارکیٹوں میں موجود دکاندار کی گاڑیاں سکولوں کے اندر پارک کرواتے ہیں اور ان سے نذرانے وصول کرتے ہیں۔ سرکاری سکول میں موجود ہونے والی پڑھائی اِس نہج پر پہنچ چکی ہے کہ تھوڑے سے وسائل رکھنے والا شخص بھی سرکاری سکولوں کا رخ کرنے میں بے عزتی کرتا ہے۔ حالانکہ سرکااری سکولوں میں اساتذہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ لیکن افسوس اخلاق نہیں رہا، جس سے معیار تعلیم اخلاقی گراوٹ کی حد تک گر چکا ہے۔ ان ہی سرکاری سکولوں سے جہاں حکومت اربوں روپے کا بجٹ خرچ کرتی ہے بہترین نتائج حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ لیکن استاد خود بھی پیسے کمانے کی دوڑ میں شامل ہو چکا ہے۔ اسے تو ہر حال میں کنگ میکر رہنا چاہیئے تھا لیکن وہ اپنا فرض چھوڑ کر خود کنگ بننے کی دوڑ میں شامل ہو چکا ہے۔ تعلیم اور کاروبار کو ایک پیمانے پر نہیں پرکھنا چاہیئے۔

آیئن پاکستان کے آٹیکل A-25 میں تو یہاں تک لکھ دیا گیا ہے۔ کہ حکومت کا فرض ہے کہ 16 سال کی عمر تک کے بچوں کو مفت تعلیم دی جائے۔ رونا صرف مفت تعلیم کا نہیں۔ یہاں تو اذیت ناک امر یہ ہے کہ Class discrimination نے مساوات کے داعی اسلامی ملک میں تعلیم جیسے اہم شعبے میں افسوس ناک صورتحال اختیار کر لی ہے۔ آزادی، رواداری مساوات امن و آشتی اچھی تعلیم و تربیت کی کوکھ سے جنم لیتے ہیں۔ یہاں سرکاری، پرائیویٹ ادارے۔ مدارس، میٹرک اولیول، کیمبرج کیا کچھ ہماری قوم کے ساتھ مذاق نہیں ہو رہا۔ ایلیٹ کلاس اور متوسط طبقے اپنے لیے اِس Discrmination کی وجہ سے نچلے طبقے کے افراد کو اپنا دشمن بنا چکے ہیں۔ یکساں نظام تعلیم جس کا مقصد اعلیٰ تعلیم و تربیت ہو بغیر کسی مذہب، نسل اور کلاس کے سب کی پہنچ میں ہو۔ جب راہبر ہی راہزن کا روپ دھار لیں تو منزل تک کیسے پہنچا جا سکتا ہے۔ سرکاری یونیورسٹیوں کی فیس بھی Bs اور Ms وغیرہ کے لیے لاکھوں روپے ہے۔ ہے۔ گویا یہ ہمارے معاشرے میں یونیورسٹی اور کارخانے میں کوئی فرق نہیں رہ گیا۔ تعلیم تو ایک مقدس فریضہ ہے اور ہمارے دین کی اساس ہی لفظ ''اقراء'' پر ہے۔ پھر یہ تعلیم اور کاروبار دونوں کو ہم معنی کیوں بنا دیا گیا ہے۔ خدارا تعلیم کو تعلیم ہی رہنے دیجیئے بچے خواہ کسی بھی طبقے سے تعلق رکھتے ہیں، امیر ہوں یا غریب تعلیم سب کی پہنچ میں ہونی چاہیئے اور یکساں نظام تعلیم وقت کی سب سے اہم ضرورت ہے۔ آئین پاکستان کے زندگی کے تمام شعبہ جات میں مساوات کا علم بردار ہے تو تعلیم کے معاملے میں اتنی زیادہ Discriminatiion سمجھ سے بالا تر ہے۔ مملکت خداداد پاکستان میں علم جیسے بنیادی شعبے میں روا رکھا جانے والا یہ امتیاز مختلف سوچ اور خیال کے طبقات کو جنم دے رہا ہے۔ اس کلاس Differance کی بناء پر معاشرتی تفاوت، نفسیاتی رویوں میں تبدیلی اور Rulling کلاس

کا غریب افراد سے رویہ کیا یہ سب کچھ مساوات ہے۔ یکساں نصاب، یکساں تعلیمی ادارے، یکساں مواقع یہ سب کچھ کون کرے گا۔ دانش سکولوں کا قیام بہت اچھی بات تعلیم کی خدمت ہے لیکن ذرا غور فرمائیے بجائے اس کے کہ خادم اعلیٰ تعلیم کے شعبے میں امتیاز کو جائز جانتے ہوئے غربا و مساکین کے لیے ایچیسن کے مقابلے میں دانش سکول کھولے ہیں۔ ہمارے ملک میں سیاست دان زیادہ تر سیاسی نعروں پر زندہ رکھتے ہیں۔

قوم کی تعلیمی حالت کو درست کرنے کے لیے ایک لانگ ٹرم منصوبہ بندی درکار ہے۔ میڈیا اور اہل رائے افراد جن کی معاشرے میں نفوذ پذیری بہت زیادہ ہے ان کا فرض ہے کہ وہ اِس حوالے سے اپنا کردار ادا کریں اور پوری قوم کے لیے یکساں نظام تعلیم اور تعلیم حاصل کرنے کے یکساں مواقع سب کو میسر آنے چاہیں۔ پرائیویٹ اداروں کو چارٹر دے کر ڈگریاں تقسیم کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ لیکن جتنی مہنگی تعلیم وہ دے رہے ہیں اور جو طبقہ وہاں سے فیض پا رہا ہے وہ یقیناً 10 ہزار رہو پے روپے کمانے والے مزدر بیٹا نہیں ہے۔ Ms Bs, ڈاکٹر آف فارمیسی، BDS،MBBS وہ آسانی سے کر سکتا ہے جس کے پاس لاکھوں روپے ہیں۔ کیونکہ پرائیویٹ ادارے ہر شہر میں ہر طرح کی ڈگریاں دینے کے مجاز ٹھرے ہیں۔ اُن کی فیسوں کا یہ حال ہے کہ وہاں صرف ایلیٹ کلاس کے بچے ہی پڑھ سکتے ہیں۔ کیا یہ آئین پاکستان کے انسانی بنیادی حقوق کے آرٹیکل کی کھلی خلاف ورزی نہیں ہے۔ سرمایہ دراہ نظام کے ظالمانہ نظام نے ترقی پزیر مالک میں عموماً اور ہمارے ملک میں خصوصاً ہر شعبے کو اپنا یرغمال بنا رکھا ہے۔ تعلیم کا شعبہ بھی سرمایہ دارانہ نظام کی سوچ اور فری مارکیٹ کے نام کی بھینٹ چڑھ چکا ہے۔ پاکستانی نظامِ تعلیم کو بچانے کے لیے ایک بھرپور تعلیمی ایمرجنسی کی ضرورت ہے۔ ایک ایسی قومی تحریک جس کا سلوگن بس ایک ہی ہونا چاہیے کہ سب کے لیے تعلیم ایک جیسی۔

روحانی تربیت کا گہوارہ سمجھے جانے والے ادارے جن کو صفہ جیسے نبی پاک ﷺ کے قائم کردہ اداروں سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ محض صرف مادہ پرستی سے بھرپور پیسہ کمانے والی دکانیں بن کر رہ گی ہیں۔ نبی پاک ﷺ کو اللہ پاک نے خود براہ راست علم سے نوازا۔ اور آقا نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد کہ میں معلمِ انسانیت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ لفظ اقراء سے دین کی مساعی کا آغاز ہوا۔ قرانِ پاک ایک الہامی، علمی، تحقیقی، تاریخی۔ سبق آموز، ہدایت کا سرچشمہ کتاب ہے۔ صاحب قران کی فضیلت یعنی نبی ﷺ کی عظمت ملاحظہ فرمائیں کہ نبی پاک ﷺ نے کہا اے صحابہ یہ میں نے جو آپ کے سامنے بات کی ہے یہ قرانِ پاک ہے۔ اور اگر آپ ﷺ نے یہ فرمادیا کہ صحابہ یہ بات حدیث ہے تو صحابہ اکرام

نے اُس بات کو حدیث تسلیم کیا۔جب آقا کریم ﷺ کی تصدیق سے قران پاک کو قران تسلیم کیا جا رہا ہو تو پھر اس لاریب کتاب کی عظمتوں کا عالم کیا ہو گا۔اور تصدیق کرنے والی ہستی نبی پاک ﷺ کی عظمتوں، رفعتوں کا عالم کیا ہو گا۔ ہمارے معاشرے میں تعلیمی ماحول میں مشنری جذبے کی کمی ہے، علم حاصل کرنے والوں کے درمیان محبت خلوص جیسے الفاظ بے معنی بن کر رہ گے ہیں۔

اساتذہ کا روپے پیسے کی دوڑ میں شامل ہو جانا ایسے ہی ہے کہ سانپوں کی طرح معاشرہ اپنے ہی انسانوں کو نگل رہا ہے۔اشرافیہ نے اپنی رہائش کے لیے علحیدہ اُونچی اور خاردار تاروں کی فصیلوں میں اعلیٰ درجے کی رہائش گاہیں بنا رکھی ہیں اسی طرح اُنھوں نے اپنے لیے علحیدہ تعلیمی نظام اور علیحدہ تعلیمی ادارے قائم کر لیے ہیں۔یہ تو انصاف اور مساوات پر مبنی معاشرے کی حالت نہیں لگتی البتہ یہ تو چھوت چھات کے قائل اُس معاشرے کی کہانی لگتی ہے جس سے ہم نے آزادی ہی اس مقصد کے لیے حاصل کی تھی ہم مساوات، رواداری اور اپنے رب پاک کے احکامات کے مطابق معاشرہ تشکیل دیں گے جو کہ اطیعواللہ واطیعوالرسول کے عظیم نصب العین پر قائم ہو گا۔ جہاں لارڈ میکالے کی سوچ سرایت نہ کر سکے گی جہاں مادہ پرستی کی بجائے اُس نظام کا بول بالا ہو گا جو کہ ہمارے نبی پاک ﷺ نے ہمیں دیا۔ پاکستانی معاشرے میں زبردست خالص علمی و فلاحی تحریک کی ضروت ہے۔اس مقصد کے لیے ہارے پاس نبی پاک ﷺ کا اسوہ حسنہ اور اُن پر نازل کردہ الہامی کتاب موجود ہے۔صرف عمل کی ضرورت ہے۔اس مقصد کے لیے ایسے بیدار مغز افراد کی ضرورت ہے۔ جو روحانی اقدار کا پرچار کرنے والے بھی ہوں اور اُن کو حضرت امام غزالیؒ، علی ہجویری، اقبال اور قائداعظم کی نسبتوں کا بھرم رکھنا آتا ہو۔نبی پاک کے سچے عاش ہی پوری قوم کا بھرم رکھ سکتے ہیں۔

(ڈاکٹر تنویر سرور، لاہور)

شوگر اور احتیاطی تدابیر

شوگر کا مرض اب عام ہوتا جا رہا ہے۔اس کی کئی وجوہات ہیں لیکن ان میں غذا کا متوازن نہ ہونا اور باقاعدگی سے ورزش کا نہ کرنا سرفہرست ہیں۔اب اس نئے زمانے میں ہم طرح طرح کے مشروبات اور میٹھے سے بنی گئی اشیاء کا استعمال روزانہ کرتے ہیں جس کی وجہ سے ہمیں شوگر کے علاوہ بھی کئی دوسری بیماریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ضروری ہے کہ ہم پہلے سے ہی اپنی غذا اور دوسرے لوازمات جن میں خاص طور پر فاسٹ فوڈز اور کولا شامل ہیں مکمل پرہیز رکھیں فاسٹ فوڈز کی جگہ ہمیں تازہ سبزیوں اور پھلوں کا استعمال کرنا چاہیئے اور کولا کی جگہ ہمیں تازہ پانی پینا چاہیئے کیونکہ کولا میں شکر کی کافی مقدار موجود ہوتی ہے۔تاکہ ہم اس موذی مرض سے بچ سکیں۔

شوگر دو اقسام کی ہے پہلی قسم کو عام طور پر بچوں کی شوگر کہا جاتا ہے یہ پندرہ سال سے کم بچوں میں ہوتی ہے اس کی وجہ انسولین اور انسولین بنانے والے خلیات کی کمی ہے۔

دوسری قسم بڑوں کی شوگر ہے جو غذا کی زیادتی اور ورزش کی کمی کی وجہ سے اکثر ہوتی ہے جس کا ذکر میں اوپر بیان کر چکا ہوں۔

شوگر کی علامات:

☆ بھوک اور پیاس کا زیادہ لگنا۔ ☆ پیشاب کا بار بار آنا ☆ جسم پر پھوڑے اور پھنسیاں بن جانا ☆ دھندلا نظر آنا ☆ تھکاوٹ ہونا ☆ پیٹ میں درد رہنا اور قے کا ہونا ☆ زخم کا جلد ٹھیک نہ ہونا ☆ وزن میں کمی ہو جانا ☆ پیشاب والی جگہ پر خارش کا ہونا ☆ اگر آپ کی عمر پینتیس سال سے زیادہ ہے تو گاہے بگاہے اپنا شوگر کا ٹیسٹ کرواتے رہیں ☆ موٹاپے سے بھی ذیابیطس ہو جاتی ہے اس لئے اپنا وزن کم رکھیں ☆ وراثتی طور پر بھی شوگر کے خطرات ہوتے ہیں جیسے والدین یا بہن بھائی میں سے کسی کو ذیابیطس ہو ☆ فکر اور پریشانی میں مبتلا لوگوں کو بھی اس سے خطرہ ہے ☆ ایسے افراد جو زیادہ تر بیٹھ کر کام کرتے ہیں وہ اس مرض میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔

شوگر کے مرض سے پیدا ہونے والی پیچیدگیاں:

اگر شوگر لیول کنٹرول نہ رکھا جائے تو یہ کئی قسم کی پیچیدگیاں پیدا کر سکتا ہے

☆ مثلاً سینے میں درد، ہارٹ اٹیک ہو سکتا ہے

☆ دماغ میں خون کا بہاؤ رک جاتا جس سے سٹروک یعنی لقوہ ہو سکتا ہے

☆ گردوں پر اس کے اثرات ہوتے ہیں جس کی وجہ سے گردے فیل ہو سکتے ہیں

☆ آنکھ کے پردے پر اس کا اثر ہوتا ہے

ادرک کا استعمال ذیابیطس کی مریضوں کے لئے فائدہ مند ہو سکتا ہے ایسا آسٹریلوی ماہرین کا خیال ہے ان کے خیال میں ادرک شوگر کو کنٹرول کر کے بڑھنے سے روکتی ہے۔اس لئے ذیابیطس کے مریضوں کو اس سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہئے۔

شوگر کے مریضوں کو غذا کا جو چارٹ دیا جاتا ہے اس پر ان کو مکمل عمل کرنا چاہیے اور چینی اور اس سے بنی اشیاء سے مکمل پرہیز رکھیں۔ایسے پھل جو بہت میٹھے ہوتے ہیں ان کو بھی کم کھائیں۔جیسے آم اور کیلا وغیرہ۔

اگر آپ شوگر کے مرض سے بچنا چاہتے ہیں تو اپنی غذا کو متوازن رکھیں اور روزانہ کی بنیاد پر ورزش کے لئے وقت ضرور نکالیں۔سب سے بہتر ہے کہ آپ تیز چیل قدمی کریں۔لیکن اگر آپ شوگر کے مرض میں مبتلا ہیں تو پھر اپنے معالج کے مشورے پہ عمل کریں۔

آجکل بہت سی ایسی ادویات ہیں جن کے استعمال سے شوگر کو کنٹرول کیا جا سکتا ہے۔آپ اپنی روزمرہ کی زندگی میں تبدیلی لا کر بھی اس مرض سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔بیماری بھی خدا کی طرف سے ہے اور شفا بھی وہی اللہ دیتا ہے اس لئے ہمیں مسلمان ہونے کے ناطے اپنے رب سے ہر نماز میں دعا کرتے رہنا چاہیئے وہ چاہے تو ہمیں مکمل شفا بخش دے۔

شوگر کے مریضوں کے لئے انجیر بہترین پھل ہے امریکن ماہرین کے مطابق انجیر کو کھانے سے انسولین کی کمی کو پورا کیا جا سکتا ہے اس لئے ایسے مریض جو انسولین کے انجیکشن لگاتے ہیں انہیں انجیر کا استعمال کرنا چاہیئے۔

انسانیت یاد آگئی

(پروفیسر لیاقت علی)

پیرس میں آٹھ حملہ آوروں کی فائرنگ سے 130 کے لگ بھگ لوگ داعی اجل کو لبیک کہہ گئے یہ ایک بڑا المناک واقعہ تھا اور قابل مذمت بھی۔ اس پر مغربی ممالک سے بھرپور انداز میں مذمتی بیانات آئے قرار دادیں منظور ہوئیں سکیورٹی ہائی الرٹ ہوئی سرحدیں سیل کر دی گئیں کرفیو کا نفاذ ہوا مغرب کیلئے یہ ایک انہونا واقعہ تھا پہلے پہل تو لوگوں کو یقین ہی نہ آیا کہ فرانس میں یہ دہشت گردانہ کارروائی عمل میں لائی جا رہی ہے پر امن دنیا کے باسیوں کیلئے یہ قتل عام ہے جس پر امریکی صدر اوبامہ فرماتے ہیں کہ ''یہ پوری انسانیت اور آفاقی اقدار پر حملہ ہے'' برطانوی وزیر اعظم فرانسیسی صدر و دیگر نے اسے انسانیت پر حملہ سے منسوب کیا۔ ہم بھی کہتے ہیں مسلمان بھی کہتے ہیں اور آج سے نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ چودہ سو سال قبل سے کہہ رہے ہیں ہمارے آقائے نامدار وجہ تخلیق کائنات سرور دو عالم محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی ناحق کسی انسان کو قتل کرتا ہے گویا کہ وہ پوری انسانیت کا قاتل ہے آپ ﷺ نے کسی مسلمان کا لفظ استعمال نہیں فرمایا مسلم غیر مسلم، عربی عجمی، گورے کالے، بڑے چھوٹے کی تفریق سے بالاتر ہو کر چودہ سو سال قبل فرما رہے ہیں کہ ایک انسان کا قتل ساری انسانیت کو مارنے کے مترادف ہے بیت اللہ جسے تمام دنیا میں بالخصوص مسلم امہ میں عزت و تکریم عظمت و تقدس کا منبع جانا جاتا ہے اور حضور اکرم ﷺ کی اس سے محبت عقیدت اور لگاؤ کا اندازہ لگانا ہمارے بس کی بات ہی نہیں آپ ﷺ نے اس کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے بیت اللہ تو اللہ کا گھر ہے اگر تجھے کوئی سو مرتبہ گرائے اور سو مرتبہ بنائے تو مجھے اتنا دکھ نہ ہوگا جتنا کہ ایک انسان کے ناحق خون بہانے پر ہوتا ہے۔

جی ہاں یورپ والو! یہ ہیں ہماری اقدار ہماری روایات جنہیں ہم اب تک نبھانے کی کوشش میں لگے ہیں لیکن تم نے کبھی بھی اپنے رویے اپنے خیالات اور اپنی منفی سوچیں ہمارے بارے میں تبدیل نہ کی ہیں برما میں مارنے جانے والے کیا انسان نہیں تھے بوسنیا میں قتل عام میں جان گنوانے والے انسان نہیں تھے گجرات میں مذہب کے نام پر جان کا نذرانہ پیش کرنے والے انسان نہیں تھے فلسطین و کشمیر لیبیا میں جو بربریت کے کھیل کھیلے جا رہے ہیں مسلمانوں کو تہہ و تیغ کیا جا رہا ہے کیا وہ انسان نہیں تھے؟ انسانیت کے نام نہاد علمبردارو! کیا انسانیت صرف تم تک محدود ہے کیا صرف تم ہی انسان کہلانے کے حقدار ہو کیا مسلمان انسانیت کی معراج پر پورا نہیں اترتے یا تمہارے پیمانے گڑ بڑا گئے ہیں۔

ہاں یقیناً تمہارے پیمانوں میں فتور آ گیا ہے اور آج سے نہیں بلکہ اس وقت سے ہے جب ہمارے نبی مکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ یہود و نصاریٰ کبھی بھی تمہارے دوست نہیں ہو سکتے لیکن بہت سی اور دوسری باتوں کی طرح یہ باتیں بھی ہماری سمجھ میں نہیں سما رہی ہیں۔ ہمارے ملک کے وزیر خزانہ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ ہمیں قرضے (بھیک) نہیں دیتے 10 مانگو تو ایک ملتا ہے تو بابا جی یہ کوئی نئی بات نہیں جب بھکاری کسی کے پاس آ کر سوال کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اللہ کے نام پر سو روپے کا سوال ہے بابا تو اسے دیکھ کر آپ کے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے اسے کڑوی کسیلی سناتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ ہٹے کٹے ہو کر مانگتے ہوئے شرم نہیں آتی اور پھر اگر اسے کچھ دینا پڑ جائے تو پانچ دس روپے دے کر جان چھڑا لیتے ہو کیونکہ تم اس کی ڈیمانڈ کے مطابق اسے دینے کے پابند نہیں ہو چونکہ وہ بھکاری ہے۔ ہماری گورنمنٹ کا بھی یہی حال ہے۔ یورپ والے اسے بھکاری گردانتے ہیں اور پھر اپنی مرضی کی بھیک دیتے ہیں اور اس بھیک پر بھی قدغن اور ٹیکس کا تڑکہ الگ ہوتا ہے جو کہ عوام کے جوڑ جوڑ کڑکڑا دیتا ہے کیونکہ وہ یورپ والے جانتے ہیں کہ سوال کرنے والے ہٹے کٹے ہیں ان کی ہمارے ملکوں کے بنکوں میں موجود رقوم اتنی ہیں کہ اگر وہ اپنے ملک میں لے جائیں اور اسے استعمال میں لائیں تو قرض کی والا معاملہ ہی ختم ہو جائے لیکن انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ یہ عادی بھکاری ہیں یہ صرف ہاتھ پھیلانا جانتے ہیں ان کا ہاتھ کبھی اوپر والا نہیں ہو سکتا لہذا وہ اپنی مرضی و منشا کے مطابق شرائط رکھتے ہیں جلی کٹی سناتے ہیں اور پھر ڈیمانڈ کا ایک دو فیصد کشکول میں ڈال دیتے ہیں اور حکمرانوں کو یہ جلی کٹی بھی بری محسوس نہیں ہوتی۔

دراصل ہمارے حکمرانوں نے کبھی عوام کو یہ باور نہیں کرایا کہ وہ یہ بھیک عوام کیلئے مانگتے ہیں کیونکہ وہ مانگتے ہی اپنے لئے ہیں اسی لئے انہیں یہ سب برا بھی محسوس نہیں ہوتا اور پھر جو رقم مملکت خداداد میں بطور قرض آتی ہے کہاں پر خرچ ہوتی ہے کیسے خرچ ہوتی ہے کس پر خرچ ہوتی ہے کمیشن میں کتنی استعمال ہوتی ہے اس کا کوئی حساب نہیں بس یہ پتا چلتا ہے کہ کھایا پیا کچھ نہیں گلاس توڑا بارہ آنے کے مصداق پوری قوم کا ہر ہر فرد لاکھوں روپے کا مقروض ہو چکا ہے اور قرض ہے کہ بڑھتا ہی جا رہا ہے ہم بطور قرض دار اپنا یہ فرض سمجھتے ہیں کہ قرض دینے والے کے نیچے لگنا چاہئے۔ بہر حال جب تک ہم من حیث القوم یورپ والوں کو یہ باور نہیں کرائیں گے کہ ہم پاکستانی اور پوری مسلم امہ بھی انسان ہیں ہمارے بھی احساسات و جذبات ہیں ہیں ہمیں بھی دکھ محسوس ہوتا ہے کانٹے کی چبھن کا احساس ہوتا ہے زخم لگنے پر تکلیف ہوتی ہے اس وقت تک ہم دنیا میں کیڑے مکوڑوں کی مانند کٹتے رہیں گے اور یہ لوگ جو صرف اپنے آپ کو انسان گردانتے ہیں ہمیں کچلتے رہیں گے اس میں کوئی دو رائے نہیں ہیں کہ پیرس میں ہونے والی دہشت گردانہ کارروائی

ننگ انسانیت ہے انسانیت کا کلنک کا ٹیکہ ہے انسانیت کے منہ پر کالک ہے لیکن یہ تمام حسیات و کیفیات مسلمانوں کے قتل عام کیلئے بھی عود کر آنی چاہئیں برما بوسینیا انڈیا فلسطین شام عراق لیبیا چیچنیا کشمیر اور پاکستان میں مرنے والے بھی گوشت پوست کے انسان ہے ان کی تکلیف پر بھی انسانیت کے ٹھیکیداروں کو دکھ تکلیف محسوس ہونا چاہئے دوہرے معیارات کو چھوڑنا چاہئے یہی درحقیقت انسانیت سے محبت کا ثبوت ہے ورنہ تو......؟

(غلام شبیر، شورکوٹ)

انسانی علم کی بے بسی

آج بلاشبہ انسان علم کے ہر شعبے میں کمال درجے کی مہارت حاصل کر چکا ہے۔ ماحول کو مسخر کر چکا ہے۔ زمین کی گہرائی میں چھپے رازوں سے پردے اٹھا چکا، فضائے بسیط کی بلندیاں میں قدم رکھ چکا، مگر باوجود اس کے انسان ابتدائے افرینش سے جو قدرت حاصل کرنا چاہتا ہے وہ آج تک حاصل نہیں کر سکا اور نہ ہی شاید کبھی حاصل کر سکے گا۔ اور وہ ہے موت سے بچاؤ اور دائمی زندگی کی خواہش، وہی خواہش جس پہ شیطان نے آدم کو بہکایا تھا اور آج بھی اولاد آدم اسی خواہش کے حصول میں کہاں سے کہاں تک پہنچ چکی ہے مگر موت سے بچاؤ تو ایک طرف ایک معمولی اور عام آنکھ سے نظر نہ آنے والا جراثومہ بھی لاعلاج امراض کا موجب بن جاتا ہے اور اس وقت انسان کا سارا علم بے بس و بے کار دکھائی دیتا ہے، جب انسان کو اپنی موت سامنے واضح دکھائی دینے لگتی ہے اور انسان بے بہا علمی، سائنسی اور طبی ترقی کے باوجود موت کے فرشتے کے سامنے ہاتھ باندھے موت کا مزہ چکھنے کے لئے تیار نظر آتا ہے۔ اس وقت انسان کا اپنے علم پہ غرور اور تکبر خاک میں مل جاتا ہے۔ انسانی علم کی بے چارگی عیاں ہو جاتی ہے اور اس وقت انسان کی نظریں صرف اور صرف اللہ کی ذات کی طرف اُٹھ جاتی ہیں۔ پس اللہ نے انسان کو کائنات کی بعض طاقتوں کو مسخر کرنے کی صلاحیت اس لئے نہیں بخشی کہ وہ غرور و تکبر کرے اور اللہ کی عبادت سے نکل جائے۔ بلکہ انسان کو چاہیے کہ وہ اللہ کی ودیت کردہ ان تمام صلاحیتوں کو طے شدہ حدود کے اندر رہ کر استعمال کرے اور اپنی دنیا و آخرت سنوارے۔

دعا: یا اللہ ہم سب کو ہدایت دے۔ یا اللہ ہمیں شیطان کے وسوسوں سے بچالے، یا اللہ ہمارے علم میں اضافہ فرما اور ایسا علم عطا فرما جو نفع بخش ہو، یا اللہ ہمیں غرور و تکبر جیسے اخلاق رزیلہ سے محفوظ فرما۔ آمین ثم آمین

اُف یہ چلاس ھے

(عامر جان حقانی،گلگت)

چلاس شہر ضلع دیامر کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ضلع دیامر کی تین تحصلیں ہیں۔ چلاس سب سے بڑی تحصیل ہے۔ چلاس کے مضافات میں ہوڈر،تھور،تھک نیاٹ،گونر فارم،گوہر آباد،کھنر اور دیگر چھوٹے چھوٹے گاؤں اور وادیاں آباد ہیں۔ یہاں جنگلات اور بنجر زمینوں کی بہتات ہے جو یہاں کے لوگوں کی ذاتی ملکیت ہیں۔ فیری میڈو،نانگا پربت اور بابوسر جیسی معروف سیاحتی مقامات بھی تحصیل چلاس میں ہے جہاں ملکی وغیر ملکی سیاحوں کا تانتا بندھتا ہے۔

یہ 1993ء کی بات ہے جب میں گورنمنٹ پرائمری اسکول سٹیلائٹ ٹاؤن چلاس میں دوسری کلاس کا طالب علم تھا۔بچپن کے ایام تھے۔گلی کوچوں اور چوک چوراہوں میں گھومنے پھرنے کا اپنا ذوق ہوا کرتا تھا۔پھر 1998 میں چلاس ہائی اسکول میں کلاس اٹھاویں پڑھا کرتا تھا۔وہاں سے تعلیم کے لئے کراچی سدھار گیا۔پھر ٹھیک سترہ سال بعد چلاس شہر کا جائزہ لینے کا موقع مل رہا ہے۔قارئین میں بہت کچھ کہنا چاہتا ہوں مگر پہلی محفل میں اس کی گنجائش نہیں۔ زندگی رہی تو پھر کبھی تفصیلات سے آگاہ کرونگا۔بہت سارے تلخ حقائق کا جائزہ لینا ہے۔ان کو دبانے اور چھپانے کی بجائے منظر عام پر لانا مفید ہے۔شاید مجھ سے میرے چلاسی بھائی خفا ہوں لیکن میرا ضمیر کہتا ہے کہ ہمیں ان مسائل کو کھلے دل سے تسلیم کرنا چاہیے اور مثبت حل کے لیے اقدامات کرنے ہونگے۔سردست چند باتیں عرض کیے دیتا ہوں۔

یہ سچ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ ان سترہ سالوں میں چلاس جیسے معروف شہر میں کچھ بھی نیا دِکھائی نہیں دیتا۔وہی پرانے دفاتر اور ان کی ناگفتہ بے حالت،چلاس کا ٹاؤن ایریا بہت مختصر سا ہے مگر اس مختصر ایریا کی حالت کا جائزہ لیتا ہوں تو دل خون کے آنسو روتا ہے۔روڈ کی جو حالت ہے اس پر تو کلام کی گنجائش ہی نہیں۔ ہر جگہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔بڑے بڑے کھڈے آپ کا سامنا کریں گے۔عوام کا جم غفیر روڈ پر کھڑا ہونا اپنا دائمی حق سمجھتے ہیں۔درمیان سڑک پر گاڑی روک کر گپ شپ لگانا اور گزرتی گاڑیوں کا راستہ روکنا کسی طور معیوب نہیں سمجھا جاتا۔پورے ملک میں واحد چلاس بازار ہے جہاں لوگ بے مقصد گھوم پھر رہے ہیں۔گھروں کے بجائے ہوٹلوں اور چائے خانوں کو آباد کرنا لوگوں کی فطرت ثانیہ بن چکی ہے۔سرکاری دفاتر کا جائزہ لیا جائے تو وہاں کے کرتے دھرتاؤں کی حالت دیکھ کر کف افسوس ہی مَلا جاسکتا ہے۔چلاس وہ برمودہ تکون (ٹرائی اینگل) ہے جہاں ہر ایماندار آفیسر غائب ہوتا ہے۔اس کی غیبوبت میں عوام کے ساتھ خواص کا بھی عملی کردار ہوتا ہے۔پولیس گردی معمول کی بات ہے۔عوام تو عوام سرکاری دفتروں میں

گھس کر بے قصور لوگوں کو مار مار کر لہولہان کرنا ان کے لیے تفریح طبع کا باعث ہے۔ ڈی ایس پی لیول کے لوگ آن ڈیوٹی ملازمین کو مار مار کر کچومر بنا دیتے ہیں اور ان سے پوچھ گچھ کرنے والا کوئی نہیں۔ پولیس کی نااہلی کا اس سے بڑا کیا ثبوت چاہیے کہ ایک معصوم بچے کو اغوا کیا گیا اور وحشیانہ قتل کر دیا گیا اور اس کے تین ہفتے بعد جنات کے خلاف ایف آئی آر درج کر لی گئی۔ پوری دنیا جانتی ہے کہ پولیس کی نااہلی اور غیر ذمہ داری کی وجہ سے دیامر کی سرزمین پر کیسے کیسے دردناک اور اندوہناک واقعات پیش آئے۔

انتہائی تکلیف دہ بات یہ ہے کہ پورے چلاس بازار میں کوئی اصلی چیز نہیں ملتی۔ جعلی اشیاء نے لوگوں کی زندگی تباہی کے دھانے کھڑی کر دی ہے۔ ڈھونڈنے سے بھی اوریجنل دوا نہیں ملتی۔ ہر دوسرے آدمی کے زبان پر یہ بات عام ہے کہ چلاس شہر میں اصلی اور اوریجنل دوا نہیں ملتی۔ مقام افسوس یہ ہے کہ اس جعلسازی پر نوٹس لینے کی لیے کوئی ادارہ تیار ہی نہیں۔ اگر کوئی اعلیٰ آفیسر انکوائری کروالیتا ہے تو ڈرگ مافیا اتنی مضبوط ہے کہ لیبارٹریوں سے ''سب ٹھیک ہے'' کا رزلٹ تیار کرواتی ہے اور وہ آفیسر بے بس ہو جاتا ہے۔ چلاس کی تعلیمی صورت حال پر اس لیے بات نہیں کرونگا، کیونکہ اس کے لیے مستقل الگ کالم کی ضرورت ہے۔ اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ اکلوتا معروف پبلک اسکول بھی کوئی معیاری تعلیمی ادارہ نہیں۔ باقی اسکولوں و کالج کی حالت کا آپ خود اندازہ لگا لیجیے۔ کیا یہ کسی المیے سے کم ہے کہ کیڈیٹ کالج کو ٹاؤن ایریا چلاس میں نہیں بننے دیا گیا۔ تعلیم دشمنی کا اس سے بڑا اور کیا ثبوت چاہیے۔ کوئی قابل ذکر دینی تعلیمی ادارہ بھی نہیں۔ وہی پرانی روش، وہی پرانا انداز۔ یعنی آئین نو سے ڈرنا، طرز کہن پہ اَڑنا۔ تاہم زیرو پوائنٹ چلاس کے قریب ڈسرتھک میں چند جید علماء کرام نے جامعہ فیض العلوم کے نام سے ایک منظّم دارالعلوم کی داغ بیل ڈالی ہے اور جدید انداز میں خدماتِ دین انجام دے رہے ہیں۔

ایک چیز میں بے تحاشا اضافہ ہوا ہے۔ 1993ء میں شاید پورے چلاس میں دو چار بینکوں کی برانچیں تھی آج شہر چلاس میں ہر بینک کی برانچ اپنی آن و شان کے ساتھ موجود ہے۔ اس کو ترقی کا عمل قطعاً نہیں کہا جا سکتا بلکہ یوں کہہ لیجیے کہ دیامر بھاشا ڈیم کا بے تحاشا پیسہ ضلع دیامر کے عوام کو موصول ہوا، تو پرائیوٹ بینکوں کے مالکان نے ہنگامی بنیادوں پر بینک برانچیں کھولیں تا کہ عوام کا پیسہ انہیں کے برانچوں میں رکھا جا سکے۔ اور وہ سود کی مد میں زیادہ سے زیادہ کما لیں۔ ڈیم کی رقم نے لوگوں کو حواس باختہ کر دیا ہے تاہم یہ حقیقت آنکھوں سے اوجھل نہ رہے کہ اس حواس باختگی کی عمر انتہائی کم ہے۔

ڈیم اور جنگلات کی مد میں وصول ہونے والی رقم سے کوئی تعلیمی ادارہ اور رفاہی ادارہ بنانے کی بجائے مہنگی ترین گاڑیاں خرید کر مہنگے ترین ہوٹلوں میں عیاشیاں کرنا افتخار سمجھا جاتا ہے اور اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جاتا ہے۔ دیامر بھاشا ڈیم کی سردست جو ادائیگیاں ہوئی ہیں اس میں عوام کے ساتھ بے تحاشا ظلم ہوا ہے۔ 2007ء کا ریٹ دیا گیا ہے۔ کمرشل ایریا جہاں فی کنال نوے لاکھ سے مہنگا ہو گیا ہے وہاں ڈیم کی متاثرہ زمین میں فی کنال 19 لاکھ کی ادائیگیاں ہوئی ہیں۔ یہ سب کچھ عوام میں نا اتفاقی اور آپس کی چپقلشوں کی وجہ سے ہوا ہے۔ سرکار بھی اپنا ہاتھ ضرور دکھاتی ہے مگر اس ظلم میں خود عوام اور مختلف قبائل کا ہاتھ ہے۔ اور ترقیاتی سکیموں میں بے ضابطگیوں اور گھپلوں کی کہانیاں ؟؟؟؟ اُف! اس ساری صورت حال پر ممبران اسمبلی اور وزراء بھی خاموش تماشائی بنے بیٹھے ہیں۔ کیونکہ وہ خود بھی تو حصہ دار ہیں نا۔

چلاس میں کئی ہفتے بیت گئے مگر کوئی ثقافتی و تہذیبی تقریب دیکھنے کو نہیں ملی۔ سنا ہے کہ کچھ ادبی و ثقافتی تنظیمیں کام کر رہی ہیں مگر دیکھنے سے بھی ان کا وجود دکھائی نہیں دیتا۔ صحافتی و ابلاغی حالت بھی کوئی قابل بیان نہیں، یہ الگ بات ہے کہ چند صحافی اپنی بساط سے زیادہ ایکٹیو نظر آتے ہیں۔ یہ ان کی اپنی عظمت ہے۔ صفائی کا نظام انتہائی ناقص ہے۔ ایک ذمہ دار آفیسر نے بلدیہ چلاس کے ذریعے پورے ٹاؤن ایریا میں کوڑے دان لگوائے تھے۔ ان میں کچرا ڈالنے کے بجائے توڑ کر اپنی گائے بکریوں کے لیے کھرلیاں بنائی گئی۔ پھر بھی ہم کہتے نہ تھکتے ہیں کہ صفائی نصف ایمان ہے۔ شاید یہ ہمارا دشمن انگریز کے لیے نصف ایمان ہو۔

آ! عندلیب مل کر کریں آہ و زاریں
تو پکار ہائے گُل، میں چلاوں ہائے دل

بہر صورت بہت سارے ایسے ایشوز ہیں جن پر تفصیل سے لکھنے کی اشد ضرورت ہے۔ معاشرت کی تباہی پر، ثقافت کی لاچارگی پر، ادب و صحافت کی بے لطفی پر، طرز زندگی کی بے ہودگی پر، قانون کی علمبرداری پر، بنتے بگڑتے رویوں پر، تعلیم و تربیت کی زبوں حالی پر، اشیاء صحت و خورد نوش کی جعلسازی پر، امانت و دیانت کی بے مائیگی پر، دینی و علاقائی اقدار سے بے گانگی پر، حقوق انسان کی پامالی پر، تمدنی زندگی میں بے پروائی پر، احساس و ذمہ داری میں بدلحاظی پر، ظلم و ستم کی بڑھوتگی پر، عدل و انصاف کی لاچارگی پر، روایات و مہمان نوازی کی تنزلی پر، اپنوں کی ریشہ دوانیوں پر اور غیروں کی بے رعنائیوں پر اور ان جیسے سینکڑوں موضوعات ہیں جن کو مفصل بیان کرنا مقتضائے وقت ہے۔

احساس ہے کہ ہم تباہی کے دھانے پر کھڑے ہیں مگر وہ بھی سوسائٹی کی لے میں لے ملائے زندگی کا پہیہ چل رہا ہے اور درون خانہ کڑھ رہا ہے۔

ایک انتہائی ذمہ دار شخص تکرار کے ساتھ دھراتا ہے کہ ''چلاس میں باجماعت نماز پڑھو اور سنت کے مطابق داڑھی رکھو اور اس کے بعد جو چاہیے کرلو، یہاں کے لوگ آپ کے فین بن جائیں گے اور اگر کہیں مسائل کھڑے ہوں تو مولویوں کا سہارا لو''۔ یہ وہ تلخ حقائق ہیں جن کا انکار ممکن نہیں۔اس حوالے سے ایک زبردست سماجی و معاشرتی اور اخلاقی وروحانی انقلاب کی ضرورت ہے اور اس کے ساتھ لاء اینڈ آرڈر کو بھی بھرپور طاقت کے ساتھ بروئے کار لایا جانا چاہیے۔ چلاس کے اہل علم وقلم سے گزارش ہے کہ معاشرے کے ان رَستے ہوئے ناسوروں کو بلاکم وکاست منظر عام پر لائیں۔علماء کرام ودانشوران عظام اپنی تقریر وتحریر اور وعظ ونصیحت میں قران وحدیث کی روشنی میں ان رویوں کی سخت مذمت کریں اور ساتھ ہی انتظامیہ قانون کی علمبرداری کو ہر حال میں یقینی بنائے۔بہر حال ان رویوں کی بیخ کنی ضروری ہے ورنہ آنے والی نسلوں کو برے نتائج بھگتنے پڑیں گے۔اللہ ہم سب کا حامی وناصر ہو۔

میتھی اور اس کے فوائد

(حکیم شاہد محمود)

یہ ایک پودہ ہے میتھی کے پتے ایک سبزی کے طور پر اور بیج دوا بنانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے

میتھی ٹائپ 1 یا ٹائپ 2 ذیابیطس کے لئے کھانے کے بعد خون میں شکر کی سطح کو کم کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

نقرس (گاؤٹ)، جنسی مسائل، بخار، گنجاپن، دودھ کی پیداوار میں اضافہ کرنے، سینے کی جلن، کولیسٹرول کی زیادتی، وزن میں کمی، بھوک میں کمی، پیٹ کی خرابی، قبض، اسہال اور سوزش کے علاج کے لئے استعمال کیا جاتا ہے ،استعمال کیا جاتا ہے۔ کھانسی پھیپھڑوں کی شوزش، اور ہڈیوں کیا مراض کے علاج کے لئے میتھی استعمال کرتے ہیں بلغم کی پیداوار میں کمی کی وجہ سے دمہ کے علاج میں مستعمل ہے، کم بلڈ شوگر کی سطح کو برقرار رکھتی ہے۔

گردے کی بیماریوں (ورم)، منہ کے السر، جلد کی جلن، تپ دق، دائمی کھانسی، گنجاپن، کینسر کے علاج کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ میتھی کے بیجوں میں موجود تیل دودھ کی فراہمی کو بڑھانے میں اہم ہے۔ میتھی کو حمل کے دوران استعمال کرنے کا امکان غیر محفوظ تصور کیا جاتا ہے۔ میتھی کو مقامی درد اور سوجن (سوزش)، کے لیے لیپ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے کھانے کی چیزوں میں، میتی کو مصالہ میں ایک جزو کے طور پر شامل کیا جاتا ہے مینوفیکچرنگ میں، میتی ارک صابن اور کاسمیٹکس میں استعمال کیا جاتا ہے۔ میتھی کے استعمال سے آپ کو آپ کے پیشاب اور پسینہ سے ایک ہلکی سے سیرپ کی طرح کی بو محسوس کریں گے، تمام ادویات معالج کے مشورے کیمطابق استعمال کریں

(اسامہ شعیب، دہلی)

مخلوط تعلیمی نظام اور اسلامی نظریہ

اسلام نے شروع ہی سے علم حاصل کرنے پر زور دیا ہے۔ کیوں کہ علم ہی انسان کو زندگی کے مقصد سے آگاہ کرتا ہے اور نیکی و بدی کی تمیز سکھاتا ہے اور حیوانوں سے ممتاز بناتا ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ ہم اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ اللہ تعالی نے قرآن کریم کی پہلی آیت جو نبی کریم ﷺ پر نازل کی، اس کی شروعات علم سے ہوتی ہے:

''پڑھو (اے نبی) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا، جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی۔ پڑھو، اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا، انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا'' (العلق: ۱، ۵)

مختلف احادیث میں بھی علم حاصل کرنے اور اس کو پھیلانے کی تاکید کی گئی ہے۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ? نے فرمایا: علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے (ابن ماجہ: ۲۲۴)

اتنی تاکید کے باوجود بھی مسلم قوم نے علم حاصل کرنے کو برسہا برس سے جتنا نظرانداز کیا ہے اتنا کسی قوم نے نہیں کیا۔ پہلے تو علم کو دینی اور دنیوی علوم میں تقسیم کیا گیا اور پھر دونوں ہی میں پیچھے ہوتے چلے گئے۔ ایسا نہیں ہے کہ مسلمان دینی علوم میں غیر معمولی طور پر مشغول ہیں اس وجہ سے دنیوی علوم پر توجہ نہیں دے پا رہے ہیں، بلکہ جب سے دنیوی علوم کی طرف سے غفلت برتی گئی ہے تبھی سے دینی علوم میں زوال آیا ہے۔ اسی وجہ سے مسلمان نہ صرف پسماندگی کا شکار ہے بلکہ غیروں پر مکمل طور سے منحصر ہو چکے ہیں اور تعلیمی میدان میں دوسروں کے نظرِ کرم کے محتاج ہیں۔ کبھی ریزرویشن کا مطالبہ کرتے ہیں تو کبھی عصبیت کو الزام دیتے ہیں۔

سچر کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق مسلمانوں کے 4% لڑکے لڑکیاں مدرسہ میں، سرکاری اسکولوں میں 66% ، پرائیوٹ اسکولوں میں 30% تعلیم حاصل کرتے ہیں اور 6-14 سال کی عمر کے 25% لڑکے لڑکیاں یا تو اسکول ہی نہیں گئے یا بیچ ہی میں تعلیم کو خیرآباد کہہ دیا ہے۔ مجموعی طور سے مردوں کی شرح خواندگی 66% اور عورتوں کی 50% ہے۔

اس رپورٹ سے ثابت ہوتا ہے کہ ہم لوگ تعلیم نسواں کی طرف سے غافل ہیں جب کہ لڑکیوں کی تعلیم اس وجہ سے زیادہ ضروری ہے کہ ان کی گود میں نئی نسل پروان چڑھتی ہے اور اگر مائیں ہی تعلیم و تربیت سے محروم ہوں گی تو وہ

اپنے بچوں کی صحیح تربیت کس طرح سے کرسکیں گی؟اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اگر ایک مرد کو تعلیم دی تو ایک فرد کو تعلیم دی لیکن اگر ایک عورت کو تعلیم دی تو ایک پورے خاندان کو تعلیم دی۔ ہمارے معاشرے میں لڑکیوں میں تعلیمی بیداری آئی ہے لیکن مخلوط تعلیمی نظام نے اعلیٰ انسانی وسماجی اقدار کا نمونہ بنانے کے بجائے مجموعی طور پر لڑکیوں کو فیشن پرست اور نمود ونمائش کا شوقین بنا دیا ہے۔

مخلوط تعلیمی نظام ہر مسلم خاندان کا مسئلہ ہے لیکن عجیب بات ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت نے اس کو مکمل طور سے اپنا لیا ہے اور نہ تو اس کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں اور نہ کوئی عملی اقدام کرتے ہیں۔ غالباً اس بات کے منتظر ہیں کہ خود مغرب عاجز آکر مخلوط تعلیمی نظام کو ترک کرے تو پھر اس کی اتباع میں ہم بھی اس کو ترک کردیں۔

برصغیر میں انگریزوں نے اپنی حکومت کو مستحکم کرنے کے لیے جو نظام تعلیم نافذ کیا تھا وہ مکمل طور سے مغربی تہذیب کا آئینہ تھا اور اس کا خاص مقصد مسلمانوں کی نئی نسل کو مغربی تہذیب وتمدن کا نمونہ بنانا تھا اور وہ اس میں بہت حد تک کامیاب بھی رہے۔ ہماری اکثریت ان کی اندھی تقلید کر رہی ہے جیسے انگریز تو خیر مادری لہجے میں انگریزی بولنے پر مجبور ہیں لیکن جاپانی، جرمن، اطالوی اور چینی اپنے فطری لہجے کو انگلستانی سانچے میں ڈھالنے کی کوشش نہیں کرتے۔ غلامی کے دور نے یہ احساسِ کمتری کی وراثت صرف ہمیں عطا کی ہے لہذا انگریزوں کے لہجے میں انگریزی بولنا ہمارے یہاں آدھی دنیا فتح کرنے کے مشابہ سمجھا جاتا ہے۔ یہ تو چاول کا ایک نمونہ ہے ورنہ زندگی کے مختلف میدانوں میں ایسی بہت سی مثالیں ہیں۔

ایک مدت سے ہمارے یہاں مخلوط تعلیمی نظام رائج ہے لیکن اس کے مضر پہلو سے اکثریت غافل ہے اور اس کو ناپسند کرنے والوں کو ’’قدامت پسند، دقیانوسی، رجعت پسند اور ملا‘‘ کا خطاب دیا جاتا ہے۔

خرد کا نام جنوں رکھ لیا، جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

روس نے انقلاب کے بعد بیس سال تک مخلوط تعلیمی نظام کا تجربہ کرنے کے بعد یکسر اس کو مسترد کردیا۔ اسرائیل نے بعض درجے پر اس کو ترک کیا ہوا ہے اور مغربی ممالک میں بھی اچھی یونیورسٹیوں، کالجوں اور اسکولوں میں مخلوط تعلیمی نظام نہیں ہے تو کیا یہ لوگ بھی تنگ نظر ’ملا‘ ہیں؟؟

ترقی یافتہ ممالک میں بھی کئی ایسے ممالک ہیں جنہوں نے مخلوط تعلیمی نظام کو ہر منزل پر رائج نہیں کیا ہے، خاص کر

ثانوی کلاسوں میں کیوں کہ اس وقت طلبہ وطالبات اپنی نشونما میں نفسیاتی لحاظ سے ایسے مرحلے میں ہوتے ہیں جہاں ذہنی وجذباتی پختگی کے بجائے ہیجانی کیفیت کا غلبہ ہوتا ہے۔ابتدائی تعلیم میں بچے بچیاں اس سے لاعلم ہوتے ہیں مگراب توٹی وی،انٹرنیٹ اور موبائل نے ان کا بھی بیڑا غرق کر دیا ہے۔

مخلوط تعلیم کی تعریف:انسائیکلوپیڈیا آف برٹینیکا میں اس کی تعریف کچھ یوں ہے:

’’ایک ہی مضمون کی تعلیم،ایک ہی وقت میں،ایک ہی جگہ پر،ایک ہی نظام کے تحت‘‘

اس کا بنیادی تصور یہ ہے کہ مرد عورتیں ایک ساتھ تعلیم حاصل کریں،کسی کی فوقیت اور کسی کی کم تری کا سوال نہ ہو،مکمل طور سے مساوات ہو،اساتذہ اور منتظمین کی جانب سے کوئی خصوصی رعایت نہ ہو،نہ ہی علیحدہ کلاس،نشست،کامن روم،ہاسٹل وغیرہ ہوں اور نہ ہی ساتھ کھیلنے کودنے بیٹھنے پر کوئی پابندی ہو۔

ہمارے یہاں جو مخلوط تعلیم کا نظام رائج ہے وہ اس کی ایک ادنیٰ سی شکل ہے اور یہ اس لیے کہ بہر حال ابھی ہم لوگ اس ’بلندی‘ تک نہیں پہنچ سکے ہیں جہاں مغرب ہمیں دیکھنا چاہتا ہے کیوں کہ ہم میں مذہبی روایات واقدار ابھی باقی ہیں،جس کو یہودی ختم کرنا چاہتے ہیں۔ان کے پروٹوکول میں صاف لکھا ہوا ہے کہ مسلمانوں کے خاندانی نظام کو ختم کیا جائے اور ان کی عورتوں کو گھروں سے نکالا جائے۔مخلوط تعلیمی نظام کو بڑھاوا دینا بھی اسی کا حصہ ہے۔

مخلوط تعلیم کی تاریخ:اگر اس کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اس کا آغاز اٹھارہویں صدی کے آخر میں ہوا۔اس سے پہلے کسی قوم میں یہ بیماری نہیں تھی۔یونانی جو کہ بہت ’ترقی یافتہ‘ تھے لیکن ان کے یہاں بھی اس کا کوئی تصور نہ تھا۔اہلِ روم آزادیِ نسواں کے زبردست علمبردار تھے مگر ان کو بھی مخلوط تعلیمی نظام کی نہ سوجھی۔چین کی تاریخ میں بھی اس کی مثال نہیں ملتی ہے۔

مخلوط تعلیم کا آغاز:اٹھارہویں صدی کے آخر میں مغربی معاشرے میں صنعتی انقلاب آیا تو اس سے متاثر ہو کر عورت بھی معاشی میدان میں اتر آئی لیکن اس میں اپنا مقام بنانے کے لیے ضروری تھا کہ وہ بھی مردوں کی طرح وہی تعلیم حاصل کرے۔حقیقت میں یہ سرمایہ داروں کی ایک پرفریب چال تھی جس کا عورت شکار ہوئی۔سرمایہ دار یہی چاہتے بھی تھے ع!

مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار

اس نظام کو رواج دینے میں ایک اہم کردار وسائل کی کمی نے ادا کیا۔تعلیم کا رجحان بڑھتا جا رہا تھا اور حکومت کے

لیے الگ الگ اسکول کھولنے کے بجائے ایک ہی اسکول دونوں کے قائم کرنا زیادہ آسان تھا۔ پھر جب نئی تہذیب اس کی دلدادہ ہو تو حکومت کو کیا پڑی ہے کہ معاشرے کے چند 'دقیانوسی لوگوں' کی آواز پر کان دھرے اور لڑکیوں کے لیے علاحدہ اسکول کھولے؟

مخلوط تعلیمی نظام کے حامیوں کی پہلی دلیل یہ ہوتی ہے کہ زمانہ بہت ترقی کر چکا ہے اور ممکن نہیں کہ عورتوں کو ترقی کی دوڑ سے علیحدہ کر دیا جائے۔ جو قومیں ترقی کر رہی ہیں وہاں مرد اور عورت شانہ بشانہ کام کر رہے ہیں۔ ہم اپنی نصف آبادی کو گھروں میں قید کر کے 'ترقی' کی راہ میں رکاوٹ کھڑی کر رہے ہیں۔ اب وہ زمانہ گیا کہ عورتیں محض بچے پیدا کریں اور گھروں میں قید رہیں بلکہ انہیں معاشرے کی ترقی میں بھرپور حصہ لینا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ جمہوریت نے بھی مساوات مرد وزن کا نعرہ بلند کیا کہ عورت کا بنیادی حق ہے کہ انہیں مردوں کی طرح تعلیم میں بھی یکساں مواقع ملیں تا کہ وہ ہر میدان میں اپنے کو مردوں کے برابر ثابت کر سکیں اور اس کے لیے مخلوط تعلیم کا ہونا ضروری ہے۔

لیکن مخلوط تعلیم کے پیچھے مساوات مرد وزن کا یہ نظریہ بالکل بے بنیاد اور بکواس ہے۔ مساوات کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ صلاحیتوں اور ذمہ داریوں سے قطعِ نظر سب کو برابر اور ہر طرح سے مساوی قرار دیا جائے۔ ایک جھاڑو لگانے والے اور ایک پروفیسر کی تنخواہ برابر نہیں ہو سکتی باوجود اس کے کہ دونوں ہی انسان ہیں۔ مساوات کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ سب کو اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق کوشش کرنے اور معاشرے میں اپنا مقام بنانے کے لیے برابری کے مواقع حاصل ہوں اور ہر ایک کو وہ مقام ملے جس کا وہ مستحق ہے۔ اس کے علاوہ مرد اور عورت انسان ہونے میں تو مشترک ہیں مگر جسمانی ساخت، مزاج، نفسیات اور فرائض و ذمہ داریوں کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں تو آخر کس طرح دونوں ایک جیسی تعلیم کے مستحق ہو سکتے ہیں؟

ان کی دوسری دلیل یہ ہوتی ہے کہ تعلیم صرف مختلف کتابوں کو پڑھ کر امتحان پاس کر لینے ہی کا نام نہیں ہے بلکہ افراد کے کردار کی نشوونما اور زندگی کے مسائل کو حل کرنے کے لیے تجربات حاصل کرنے کا نام ہے۔ اس لیے تعلیمی اداروں میں 'گھر جیسا' یا 'بھائی بہن' کی طرح کا ماحول ضروری ہے جو مخلوط تعلیم ہی فراہم کرتی ہے۔ پیستا لوزی کے مطابق تعلیم زندگی کی تیاری ہے اس لیے اس کا ماحول زیادہ سے زیادہ قدرتی اور گھریلو ہونا چاہیے اور لڑکے لڑکیوں کو علاحدہ رکھنا ان کو چوری چھپے ملنے اور گمراہی کی طرف لے جانے کا ذریعہ ہوتا ہے۔

لیکن یہ بھی ایک عجیب وغریب نظریہ ہے۔ پہلے تو عورتوں کو گھر سے نکال باہر کر کے گھر کا ماحول ختم کر دو اور پھر یہ

امید رکھو کہ یونیورسٹیوں، کالجوں اور اسکولوں میں گھر کا ماحول فراہم ہوگا۔ گھر میں والدین، بھائی بہن اور دیگر رشتے داروں میں حرمت اور پاکیزگی کے رشتے ہوتے ہیں جب کہ اسکولوں میں ایسا نہیں ہوتا ہے۔ عمر کے ساتھ ساتھ جنسی امتیازات، جذبات اور مختلف طبعی ونفسیاتی ردعمل پیدا ہوتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں وہاں گھر کا ماحول پیدا ہو ہی نہیں سکتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ عورتوں کو مردوں کی طرح پڑھانے اور تعلیم یافتہ بنانے کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ ان سے بھی مردوں کی طرح ملازمت کرائی جائے تاکہ فی الواقع وہ ترقی ہو سکے جس کا نعرہ بلند کیا جاتا ہے۔ اگر ایسا نہیں کیا تو پھر مخلوط تعلیم کا مقصد ہی فوت ہو گیا۔ لیکن اس صورت میں گھر کا پورا نظام بگڑ جائے گا اور ایسا ہو بھی رہا ہے اور جو بچے ماں کے بجائے نوکرانی اور آیا کی گود میں پرورش پائیں گے وہ کس طرح کے ہوں گے اس کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ افلاطون نے مخلوط تعلیم کی حمایت کی تھی مگر اس نے ایسی سوسائٹی کا نقشہ پیش کیا تھا جس میں خاندانی نظام کا سرے سے کوئی وجود ہی نہ تھا۔

ان کی تیسری دلیل یہ ہوتی ہے کہ ہمارا ملک غریب ہے اور ہم تعلیم پر بہت زیادہ خرچ نہیں کر سکتے۔ مخلوط تعلیم میں یہ فائدہ ہوتا ہے کہ دونوں کے لیے ایک ہی اسکول کھولنا کافی ہوتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ عورتوں کی تعداد مردوں سے کم نہیں ہے اور سب ان کی تعلیمی ضرورت کے قائل ہیں تو کیوں وسائل کی کمی کا رونا روتے ہیں؟ جب مرد عورت کو مساوی قرار دی جا رہا ہے تو عورتوں کی تعلیم پر روپے خرچ کرنے میں کیوں پریشانی ہو رہی ہے؟ آخر لڑکیوں کا کیا گناہ ہے کہ ان کی تعلیم کو کفایت کے نام پر قربان کر دیا جائے اور ایک ایسے ماحول میں ان کو تعلیم دی جائے جہاں ان کی اپنی شخصیت ختم ہو جاتی ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ بہت ساری لڑکیوں کا تعلیمی سلسلہ اس لیے منقطع ہو گیا کہ ان کو مخلوط تعلیمی نظام میں نہیں پڑھنا تھا۔

سب سے اہم اور آخری دلیل مخلوط تعلیمی نظام کے چاہنے والوں کی، جس کو کہنے سے وہ اجتناب کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے تعلیمی اداروں میں 'ہریالی' رہتی ہے اور تقریبات بھی 'رنگین' رہتی ہیں۔ اساتذہ اور طلبہ کا پڑھنے پڑھانے میں دل لگتا ہے۔ واقعی اگر اس کو ختم کر دیں تو ان تعلیم گاہوں میں رہ ہی کیا جائے گا؟؟ ع

وجودِ زن سے ہے کالج کی کائنات میں رنگ

مخلوط تعلیمی نظام میں خواہشاتِ نفس کی تسکین، آنکھیں سینکنا، ملاقات کے مواقع، پیار کی کہانیاں اور شادی کے

عہد و پیان اہم ترین حصہ ہیں۔غور کیا جائے تو اس کو رواج دینے میں یہی سب سے اہم دلیل ہے۔

مخلوط تعلیمی نظام کے نقصانات: اخلاقی طور پر اس نظام کے مضر اثرات نمایاں طور پر لڑکے لڑکیوں پر پڑ رہے ہیں۔ابھی معاملہ زیادہ نہیں بگڑا ہے کیوں کہ ہمارے درمیان ہمارے بزرگ موجود ہیں جنہوں نے ہمیں دینی اقدار سے جوڑے رکھا ہے لیکن جب یہ موجودہ نسل بزرگ ہو جائے گی اور ان کی اولاد اس تعلیمی نظام میں جائے گی تو اس وقت جو اخلاقی بگاڑ اور جنسی انارکی کا طوفان آئے گا اس کا ہم ابھی اندازہ نہیں لگا سکتے۔یہ نظامِ تعلیم معاشرے میں بگاڑ پیدا کرنے کا سب سے مسحور کن ہتھیار ہے۔اس کے نقصانات درج ذیل ہیں۔

(۱) جنسی کشمکش: لڑکے لڑکیوں میں جسمانی اور ذہنی فرق روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے دونوں کو مختلف مشاغل کے لیے پیدا کیا ہے اور مختلف انداز میں خدمات لینا چاہا ہے۔اب اگر دونوں چھ سے آٹھ گھنٹے اکٹھا بیٹھے رہیں تو اس کا مطلب صاف ہے کہ ان کو جنسی اشتعال دلایا جا رہا ہے۔جس سے نفسیاتی انحراف ،جنسی اضطراب اور بے راہ روی پیدا ہوتی ہے اور لڑکے کا لڑکی بننا،لڑکی کا لڑکا بننے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

(۲) خاندانی نظام کا خاتمہ: تعلیم کے دوران لڑکے لڑکیوں کے تعلقات میں سارا معاملہ وقتی لذت کے حصول کا ہوتا ہے۔عیاشی زندگی کا مقصد بن جاتی ہے پھر ایک ہاتھ آگے بڑھ کر ہم جنسی کی بیماری پھیلتی ہے، ناجائز اولاد اور اسقاطِ حمل جیسے گناہ ہوتے ہیں۔شادی کو غیر ضروری سمجھا جاتا ہے جس سے خاندان کے تصور کا خاتمہ ہوتا ہے۔

(۳) نظم وضبط اور معیارِ تعلیم کا گرنا: یہ نظامِ تعلیم اداروں کے نظم وضبط اور تعلیم کے معیار پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔علم پر توجہ کے بجائے زیب و زینت اور خود نمائی پر توجہ دی جاتی ہے،طلبہ وطالبات خود ایک دوسرے میں اتنی دلچسپی لیتے ہیں کہ پھر پڑھائی میں کوئی دلچسپی نہیں لیتے،طلبہ کے لیے سب سے غیر اہم تعلیم اور سب سے اہم صنفِ مخالف کی توجہ کا مرکز بنا رہنا ہوتا ہے،اسی کی وجہ سے آپسی لڑائی اور گروپ بندی ہوتی ہے،کلاس کے باہر بھی گفتگو اور بحث کا موضوع تعلیمی نہ ہو کر صنفِ مخالف سے متعلق ہوا کرتا ہے اور ساری سرگرمی ، مذاق اور سوچ ''کچھ اور'' ہی ہوا کرتی ہے۔لڑکیوں کا حال بھی کچھ کم نہیں ہے،گھر میں چاہے کیسی بنی رہیں لیکن یونیورسٹی آتے وقت میک اپ تھوپ کر اور تنگ ٹائٹ کپڑے پہن کر آتی ہیں۔گویا تعلیم حاصل کرنے نہیں بلکہ ماڈلنگ کرنے یا فیشن شو میں حصہ لینے آئی ہوں۔البتہ لڑکیاں اگر لڑکوں سے تعلیم میں آگے ہیں تو اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان کے پیچھے دو ذہن کام کرتا

ہے۔ایک تو خودان کا اور دوسرا ان کے دوست کا، جو اپنا نہ پڑھ کر ان کو پڑھاتا رہتا ہے یا مواد مہیا کراتا ہے (الا ماشااللہ)

(۴) تدریس میں مشکلات: کلاس میں استاد کا پڑھانا ہی تعلیم کی بنیاد ہے۔استاد لاتعلقی سے نہیں پڑھا سکتا بلکہ وہ شاگردوں سے براہ راست ذہنی رابطہ قائم کرتا ہے۔اس میں صنفِ مخالف کو مشکل پیش آتی ہے اسی لیے لڑکیاں ایک لیڈی ٹیچر کو اور لڑکے ایک استاد کو ہی اپنا حقیقی مشیر یا مربی سمجھتے ہیں۔جو مخلوط تعلیمی نظام میں ممکن نہیں ہے۔اسی لیے آج کے دور میں ایسی بہت سی مثالیں مل جائیں گی جس میں استاد اور شاگرد کا مقدس رشتہ داغدار ہوا ہے۔ریسرچ اسکالروں کا ذہنی وجسمانی استحصال عام بات ہے۔

اسلامی نظریہ: اسلام نے پردے اور خاندانی نظام پر خاص توجہ دی ہے۔ارشادِ ربانی ہے:

''اپنے گھروں میں ٹک کر رہو اور سابق دورِ جاہلیت کی سی سج دھج نہ دکھاتی پھرو'' (الاحزاب:۳۳)

نبی کریم ﷺ نے مرد اور عورت دونوں کی تعلیم کو ضروری قرار دیا لیکن آج کے دور کی مخلوط تعلیم حاصل کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔اسلام نے دونوں کے علاحدہ علاحدہ وجود کو تسلیم کیا ہے تو بھلا مخلوط تعلیم کا کہاں گذر ہو سکتا ہے؟ ہر ایک کی ذمہ داری اپنے اپنے دائرے میں متعین کر دی ہے۔دونوں کا اسی میں امتحان ہے اور اسی پر جزا وسزا ہے۔ارشادِ ربانی ہے:

''میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع کرنے والا نہیں ہوں۔خواہ مرد ہو یا عورت'' (آل عمران:۱۹۵)

اور ایک جگہ فرمایا!

''جو کچھ مردوں نے کمایا ہے اس کے مطابق ان کا حصہ ہے اور جو کچھ عورتوں نے کمایا ہے اس کے مطابق ان کا حصہ'' (النساء:۳۲)

اس کے ساتھ ہی ساتھ مردوں کو عورتوں کی اور عورتوں کو مردوں کی مشابہت اختیار کرنے سے روک دیا گیا۔

حدیثِ نبوی ہے!

آپ ﷺ نے عورتوں کی مشابہت کرنے والے مردوں اور مردوں کی مشابہت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے (صحیح بخاری:۵۸۸۵)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے لیے تعلیم ضروری ہے لیکن خالص اسلامی نقطہ نظر سے اور اولاد کی تربیت

،کردار سازی ہی عورتوں کا اصل فریضہ ہے۔ ماضی کی تاریخ گواہ ہے کہ مسلم خواتین نے اسلامی دائرہ کار میں رہ کرنمایاں کارنامے انجام دیے ہیں اور علم وفضل میں اپنا مقام پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اولاد کی تعلیم وتربیت میں بھی روشن مثالیں قائم کی ہیں۔امام ابوحنیفہ ؟ ،امام شافعی ؟،امام مالک ؟،امام احمد بن حنبل ؟،سلطان صلاح الدین ایوبی ؟،شاہ ولی اللہ ؟،سید ابولاعلی مودودی ؟،علامہ اقبال ؟،مولانا ابواللیث اصلاحی ؟ وغیرہ اس کی نمایاں دلیل ہیں۔ یہ مخلوط تعلیمی نظام ہی کا نتیجہ ہے کہ آج اس پائے کے لوگ پیدا نہیں ہورہے ہیں اور اس مروجہ تعلیمی نظام سے اس کی امید بھی نہیں کی جاسکتی ہے۔

مسئلہ کا حل: مسلم دانشوروں اور علماء کرام نے ہمیشہ مخلوط تعلیمی نظام کی مخالفت کی ہے لیکن جب آپ کسی چیز کو ختم کرنا چاہتے ہیں تو پہلے اس کا بدل تیار کرنا ضروری ہے۔صرف مخالفت میں باتیں بنانے اور تقریریں کرنے سے بات نہیں بنے گی۔اگر مروجہ تعلیمی نظام میں جانے سے طلبہ وطالبات کو روک دیا جائے تو کیا وہ گھر بیٹھیں؟؟ ضرورت اس بات کی ہے کہ الگ الگ تعلیمی ادارے کھولے جائیں اور یہ کوئی ناممکن کام نہیں ہے۔جہاں تک اس کام کے لیے روپے اور وسائل کی بات ہے تو اللہ تعالی کے فضل سے مسلمانوں کے پاس دونوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔روز بروز نئ مختلف مسلم تنظیموں اور سیاسی پارٹیوں کا وجود میں آنا اس بات کی قوی دلیل ہے۔بس جنون، لگن، صحیح رہنمائی اور منصوبہ بندی کی ضرورت ہے اور جب تک اس کا بدل نہ تیار ہو تو جتنا ممکن ہوسکے اسلامی حدود میں رہتے ہوئے تعلیم حاصل کریں۔لڑکیاں پردے کا مکمل خیال رکھیں ،اساتذہ اور طلبہ سے غیر ضروری اختلاط سے اجتناب کریں، جہاں تک ممکن ہوسکے پرائیوٹ اور فاصلاتی تعلیم حاصل کریں اور سب سے اہم بات یہ کہ مخلوط تعلیمی نظام کو غلط سمجھیں، ایسا نہ ہو کہ ہم اسی کو بہتر اور مفید مان لیں اور ہمارے دلوں میں اس کے خلاف کوئی ناپسندیدگی، کراہیت اور کھٹک نہ ہو کیوں کہ تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔اللہ تعالی نیتوں کو جانتا ہے اور اسی کی بنیاد پر جزاوسزا دے گا۔

سید عبدالوہاب شیرازی

سود کے بعد
موبائل کمپنیوں کی جوا سکیمیں

سپریم کورٹ کے سود کے حوالے سے آنے والے فیصلے کے بعد سود کے خاتمے کے لئے مختلف تنظیمیں اور تحریکیں احتجاج کررہی ہیں۔جس طرح سود حرام ہے بالکل اسی طرح جوئے کی حرمت بھی قرآن کے صریح اور واضح حکم سے ثابت ہے،ہماری یہ بدقسمتی ہے کہ قرآنی احکامات سے نہ صرف روگردانی کی جارہی ہے بلکہ حکومت خود سودی اور جوئے کا کاروبار کرنے اور اس کی ترغیب اور لالچ دینے والوں کو نہ صرف اجازت بلکہ لائسنس دیتی اور رجسٹر بھی کرتی ہے۔سود کے خلاف تو کافی حد تک لوگوں میں شعور پایا جاتا ہے لیکن جوئے کی نت نئی اقسام مارکیٹ میں متعارف ہو چکی ہیں ضرورت اس بات کی ہے کہ جوئے کی ان اقسام کا پوسٹ مارٹم کرکے انہیں عوام کے سامنے کھول کر رکھ دیا جائے۔امید ہے کوئی ماہر معیشت یہ خدمت سرانجام دے کر ذخیرہ آخرت کرے گا۔جوئے کی اقسام میں سے ایک قسم انشورنس ہے جس پر کافی علماء نے کتابیں لکھی ہیں۔

ابھی چند سالوں سے موبائل کمپنیاں آئی ہیں ان کا اصل کرنے کا کام تو لوگوں کو آپس میں رابطے میں رکھنا تھا لیکن حکومتی کنٹرول نہ ہونے کی وجہ سے ان کمپنیوں نے کئی کئی بزنس اور عوام کو بیوقوف بنا کر لوٹنے کے طریقے شروع کررکھے ہیں۔موبائل کمپنیوں کی روزانہ کی کمائی اربوں میں ہے جس کا اندازہ ان کمپنوں کے ٹی وی چینلز پر چلنے والے اشتہارات سے ہی لگایا جاسکتا ہے،کیونکہ چینلز پر سیکنڈ کے حساب سے پےمنٹ کرنی ہوتی ہے جو کروڑوں میں بنتی ہے۔ان کمپنیوں نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ عوام کو لوٹنے کے لئے الفاظ کا ہیر پھیر کرکے طرح طرح کے پیکجز متعارف کروائے۔اب صورتحال یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ موبائل کمپنیوں نے سرعام جوا سکیمیں شروع کردی ہیں،اور عوام کو باربار میسجز کے ذریعے ان جوا سکیموں میں شامل ہونے کی دعوت دی جاتی ہے۔زونگ کی طرف سے مسلسل کئی دن سے ہرروز ایک میسج موصول ہورہا جس کے شروع میں صارف کا موبائل نمبر لکھا ہوتا ہے اور آگے لکھا ہوتا ہے:اس پیغام کو نظرانداز مت کریں،زونگ نے آپ کو چنا ہے دس لاکھ کے لئے،حصہ لیں مفت ایس ایم ایس کے ذریعہ۔ حالانکہ یہ سراسر جھوٹ ہے یہ ایس ایم ایس مفت نہیں ہوتا بلکہ عام ایس ایم ایس سے کئی گنا مہنگا ہوتا ہے۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تم سے شراب اور جوئے کا جو حکم پوچھتے ہیں۔تم فرمادو کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے کچھ دنیاوی نفع بھی اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بڑا ہے۔(البقرہ آیت نمبر 219)

اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے ناپاک ہی ہیں۔شیطانی کام تو ان سے بچتے رہنا کہ تم فلاح پاؤ۔شیطان یہی چاہتا ہے کہ تم میں بیر اور دشمنی ڈلوادے۔شراب اور جوئے میں اور تمہیں اللہ عزوجل کی یاد اور نماز سے روکے تو کیا تم باز آئے (المائدہ کی آیت نمبر 90 تا 91)

حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے جوا کھیلنے کے سامان سے جوا کھیلا تو گویا اس نے اپنا ہاتھ خنزیر کے گوشت اور خون میں ڈبو دیا۔(سنن ابن ماجہ، ج 1، ص 231، حدیث 3863)

حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔جس شخص نے اپنے ساتھی سے کہا "آؤ جوا کھیلیں" تو اس کہنے والے کو چاہئے کہ صدقہ کرے (صحیح مسلم، ص 893، حدیث 1637)

محترم قارئین آج کل دنیا میں جوئے کے نت نئے طریقے رائج ہیں۔ان میں سے 6 یہ ہیں۔

1۔لاٹری: اس طریقہ کار میں لاکھوں، کروڑوں روپے کے انعامات کا لالچ دے کر لاکھوں ٹکٹ معمولی رقم کے بدلے فروخت کئے جاتے ہیں پھر قرعہ اندازی کے ذریعے ہونے والوں میں چند لاکھ یا چند کروڑ روپے تقسیم کئے جاتے ہیں جبکہ بقیہ افراد کی رقم ڈوب جاتی ہے۔یہ بھی جوا کی ایک صورت ہے جو کہ حرام اور جہنم میں لے جانے والا کام ہے۔

2۔موبائل میسج اور جوا: موبائل پر مختلف میسج جو کہ سوالات پر مبنی ہوتے ہیں، بھیجے جاتے ہیں۔جس میں مثلا کون سی ٹیم میچ جیتے گی؟ پاکستان کس دن بنا تھا؟ درست جوابات دینے والوں کے لئے مختلف انعامات رکھے جاتے ہیں۔شرکت کرنے والے کے "موبائل بیلنس" سے قلیل رقم مثلا دس روپے کٹ جاتی ہے۔جن کا انعام نہیں نکلتا، ان کی رقم ضائع ہوجاتی ہے۔یہ بھی جوا ہے جو کہ حرام اور جہنم میں لے جانے والا کام ہے۔

3۔پرائز بانڈ کی پرچی: حکومت پاکستان 200، 750، 1500، 7500، 15000 اور 40000 روپے کی مالیت کے انعامی بانڈز بینک کے ذریعے جاری کرتی ہے اور جدول کے مطابق ہر ماہ قرعہ اندازی کے ذریعے کروڑوں روپے کے انعامات خریداروں میں تقسیم کرتی ہے۔جس کا انعام نہیں نکلتا، اس کی بھی رقم محفوظ رہتی ہے۔وہ اسے جب چاہے کیش کروا سکتا ہے۔یہ جواز (جائز ہونے) کی صورت ہے اور جوئے میں داخل نہیں لیکن بعض لوگ

انعامی بانڈز کی پرچیاں بیچتے ہیں۔ان پرچیوں کی خرید وفروخت غیر قانونی ناجائز حرام ہے کیونکہ بیچنے والا حکومت کی طرف سے جاری کردہ پرائز بانڈز اپنے ہی پاس رکھتا ہے (بلکہ بعض اوقات پرائز بانڈز بھی بیچنے والے کے پاس نہیں ہوتے ہیں) پرچی بیچنے والا خریدار کو قلیل رقم کے بدلے پرچی پر محض ایک نمبر لکھ دیتا ہے کہ اگر اس نمبر پر انعام نکل آیا تو میں تمہیں اتنی رقم دوں گا۔انعامی پرچی کا یہ کام بھی جوا ہے کیونکہ اس میں انعام نہ ملنے کی صورت میں خریدار کی رقم ڈوب جاتی ہے۔

4۔معمہ: اس میں ایک یا ایک سے زیادہ سوالات حل کرنے کے لئے دیئے جاتے ہیں۔جس کا حل منتظمین کی مرضی کے مطابق نکل آئے، اسے انعام دیا جاتا ہے۔انعامات کی تعداد تین یا چار یا اس سے بھی زائد ہوتی ہے لہذا درست حل زیادہ تعداد میں نکلیں تو قرعہ اندازی کے ذریعہ فیصلہ ہوتا ہے۔اس کھیل میں بہت سارے افراد شریک ہوتے ہیں۔ان کی شرکت دو طرح سے ہوتی ہے۔

(1۔مفت) (2۔معمولی فیس دے کر)

اگر شرکاء سے کسی قسم کی فیس نہ لی جائے اور کوئی مانع شرعی نہ ہونے کی صورت میں انعام لینا جائز ہے جس میں شرکاء سے فیس لی جاتی ہے، اس میں انعام ملے یا نہ ملے، رقم ڈوب جاتی ہے۔یہ صورت جوئے کی ہے جو کہ حرام اور جہنم میں لے جانے والا کام ہے۔

5۔پیسے جمع کر کے قرعہ اندازی کرنا: بعض دوست یا افراد مل کر تھوڑی تھوڑی رقم جمع کر کے قرعہ اندازی کرتے ہیں کہ جس کا نام نکلا، ساری رقم اس کو ملے گی۔یہ بھی جوا ہے کیونکہ بقیہ افراد کی رقم ڈوب جاتی ہے۔اس طرح بعض اوقات پیسے جمع کر کے کوئی کتاب یا دوسری چیز خریدی جاتی ہے کہ جس کا نام قرعہ اندازی میں نکل آیا۔اسے یہ کتاب دے دی جائے گی۔یہ بھی جوا ہے۔یاد رہے کہ بعض کمپنیاں اپنی مصنوعات خریدنے والوں کو قرعہ اندازی کر کے انعامات دیتی ہیں، یہ جائز ہے کیونکہ اس میں کسی کی بھی رقم نہیں ڈوبتی۔

6۔مختلف کھیلوں میں شرط لگانا: ہمارے یہاں مختلف کھیل مثلاً گھڑ دوڑ، کرکٹ، کیرم، بلیئرڈ، تاش، شطرنج وغیرہ دوطرفہ شرط لگا کر کھیلے جاتے ہیں کہ ہارنے والا جیتنے والے کو اتنی رقم یا فلاں چیز دے گا۔یہ بھی جوا ہے اور ناجائز وحرام۔کیرم، بلیئرڈ کلب وغیرہ میں کھیلتے وقت عموماً یہ شرط رکھی جاتی ہے کہ کلب کے مالک کی فیس ہارنے والا ادا کرے گا۔یہ بھی جوا ہے۔

بعض نادان گھروں میں مختلف کھیلوں میں مثلاً تاش، لوڈوں پر دو طرفہ شرط لگا کر کھیلتے ہیں اور کم علمی کے باعث اس میں کوئی حرج نہیں رکھتے۔ وہ بھی سنبھل جائیں کہ یہ بھی جوا ہے۔ جوا حرام اور جہنم میں لے جانے والا کام ہے۔

آج کل موبائل ہر ایک استعمال کرتا ہے، موبائل کمپنیوں کی جو اسکیمیں اور ان کی ترغیب ہر کو دی جا رہی ہے حکومت کو چاہیے ان سکیموں کو بند کرے اور ان کمپنیوں کو پابند کیا جائے کہ وہ عوام کو لوٹنے کے حربے ختم کر دیں۔

اہم اعلان

ان شاء اللہ یکم دسمبر 2015 سے آن لائن میگزین ''ماہنامہ نکتہ'' کا اجرا کیا جا رہا ہے۔

فی الحال یہ میگزین آن لائن ہی شائع ہوگا کچھ عرصہ بعد ان شاء اللہ اس کی باقاعدہ پرنٹ شدہ اشاعت بھی ہوگی۔

اس میگزین میں ہر اس شخص کو لکھنے کی دعوت دی جاتی ہے جو مندرجہ ذیل شرائط کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی تحریر ارسال کرے۔

1۔ تحریر کمپوز شدہ ہو۔

2۔ تحریر ان پیج یا ایم ایس آفس ورڈ میں اردو میں لکھی ہوئی ہو۔

3۔ تحریر کسی بھی موضوع مثلاً اسلام، حالات حاضرہ، تاریخ، سیاست، معاشرت، معیشت، سائنس و ٹیکنالوجی وغیرہ پر ہو۔

4۔ تحریر فرقہ واریت پر مبنی ہرگز نہ ہو۔ البتہ فرقہ واریت کے رد پر لکھی گئی تحریر کو ترجیحاً شائع کیا جائے گا۔

5۔ چونکہ ہمارا مقصد نئے ابھرتے ہوئے لکھاریوں کو موقع دینا بھی ہے اس لئے تحریر اگرچہ مختصر ہو اس کو جگہ دی جائے گی۔

6۔ ضروری نہیں کہ آپ بڑے بڑے موضوعات عالمی دنیا، ملکی سیاسی، معاشی حالات پر ہی سوچیں اور لکھیں بلکہ آپ اپنے ارد گرد محلے، شہر میں جو کچھ دیکھتے محسوس کرتے اور سوچتے ہیں اسی پر لکھیں۔ زیادہ بہتر اور آپ کی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کا ذریعہ ہے۔ اپنے گرد و پیش کے واقعات پر رپورٹ بنا کر بھیجیں۔

7 یہ ضروری نہیں کہ آپ ایک ہی موضوع پر تین چار صفحے لکھیں، آپ تین چار موضوعات پر ایک ایک صفحہ بھی لکھ کر بھیج سکتے ہیں۔

8۔ تحریر کے ساتھ آپ کا نام، علاقے کا نام، ای میل ضرور بھیجیں البتہ اگر مناسب سمجھیں تو موبائل نمبر اور تصویر بھی بھیج دیں۔

9۔ کوشش کریں تحریر ہر مہینے کی 25 تاریخ تک بھیج دیں۔

تحریر اس ای میل پر بھیجیں: **Mymedia.pk@gmail.com**

مسلم یوتھ میڈیا

Muslim Youth Media Group
MY Media

مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

تجوید کا سیکھنا ہر مسلمان پر واجب ہے،

تجوید کی اسی اہمیت کے پیش نظر اس کتابچے میں "قواعد تجوید" کو نہایت ہی آسان الفاظ میں سمجھایا گیا ہے۔

چونکہ موجودہ دور میں جدید تعلیم یافتہ لوگوں میں انگلش اصطلاحات کو سمجھنے والوں کی اکثریت ہے اسی لئے کتاب میں اردو کے ساتھ ساتھ انگلش لینگویج میں اصطلاحات کو سمجھانے کی کوشش بھی کی گئی ہے۔

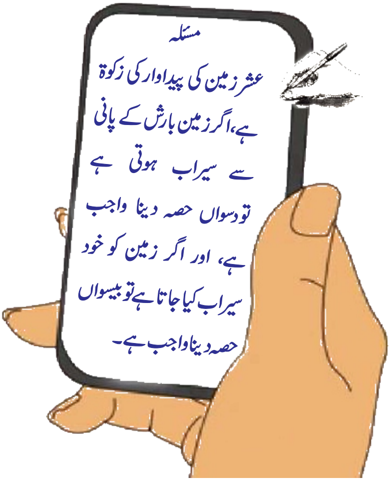

اپنے موبائل پر بالکل مفت دینی، فقہی مسائل حاصل کرنے کے لئے ابھی رائٹ میسج میں لکھیں:

FOLLOW NUKTA313

اور سینڈ کر دیں **9900** پر۔

پھر **MUTE OFF** لکھیں اور **9900** پر سینڈ کر دیں۔ اگر نام پوچھا جائے تو اپنا نام لکھ کر **9900** پر سینڈ کر دیں۔ پہلی بار صرف **0.61** پیسہ چارجز ہیں، پھر ہمیشہ فری فقہی مسائل ملیں گے۔

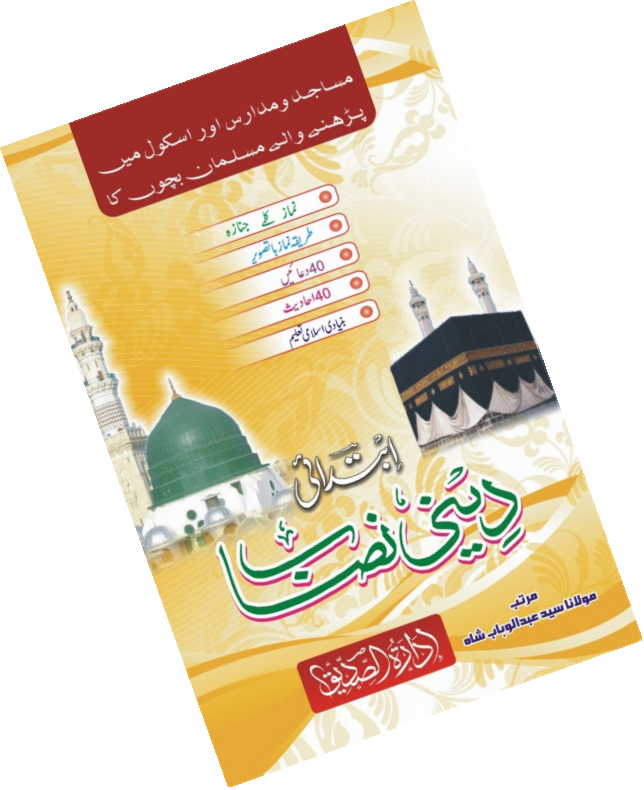

مساجد و مدارس اور اسکولوں میں پڑھنے والے بچوں کے لئے ایک خاص ترتیب پر تیار کیا جانے والا ایک بہترین دینی نصاب، جس میں ہر سبق کے ساتھ حاضری کی سہولت، طریقہ وضو اور نماز 4 کلر تصاویر کی مدد سے سمجھایا گیا ہے۔ نماز، کلمے، جنازہ، چالیس دعائیں، چالیس احادیث اور دیگر بنیادی اسلامی معلومات، ایک سال کے لئے نمازوں کی حاضری کا کیلنڈر۔ رنگین صفحات، دیدہ زیب ٹائٹل۔ ملک بھر کے کئی دینی اداروں اور اسکولوں کے نصاب میں باقاعدہ شامل ایک بہترین کتاب۔

شائع کر کے مفت تقسیم کریں

آن لائن پڑھنے یا ڈاؤن لوڈ کرنے کے لئے

www.urdubookdownload.wordpress.com

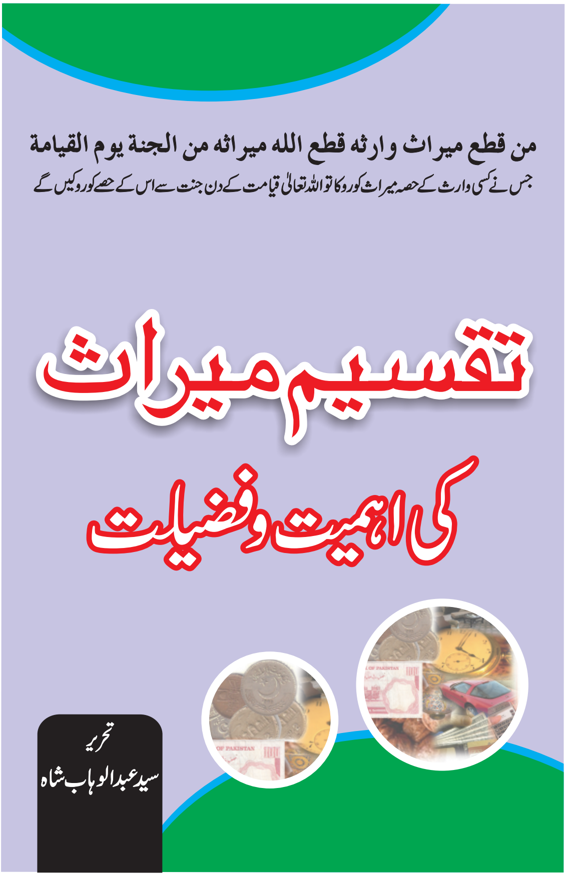

مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے ''میں نے بصیرت کی بناء پر تجربہ کیا ہے کہ لوگوں کی دین سے دوری میں اسی 80 فیصد حرام مال کھانے کا عمل دخل ہے، اور دس فیصد اس سے کہ بے نمازی کے ہاتھ کا کھانا کھاتے ہیں اور دس فیصد اس سے کہ نیک لوگوں کی صحبت اختیار نہیں کرتے۔ حرام مال کھانے کے بے شمار ذرائع ہیں اور اللہ تعالیٰ کے بے شمار ایسے بندے ہیں جو ان ذرائع سے بچتے ہیں مگر شرعی تقسیم میراث ایک ایسا فریضہ ہے جس میں کوتاہی کے مرتکب بڑے بڑے دیندار لوگ بھی ہیں۔

تقسیم میراث کی اہمیت جاننے کے لئے چند صفحات پر مشتمل اس کتابچے کا خود بھی مطالعہ کریں اور زیادہ سے زیادہ شائع کر کے دوسروں تک پہنچائیں۔